جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا

مباحثہ لدھیانہ

جو کہ مابین حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود
ومہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام و ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب
بٹالوی ہوا

الحق

یعنے

تصدیق اصول اسلام و تحقیق ملت قویمہ حضرت خیر الانام
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ماہوار رسالہ

بابت

ماہ ذی الحجہ۔ محرم۔ صفر۔ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ ہجری المقدس
مطابق جولائی۔ اگست۔ ستمبر۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء عیسوی

مؤلفہ

مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی
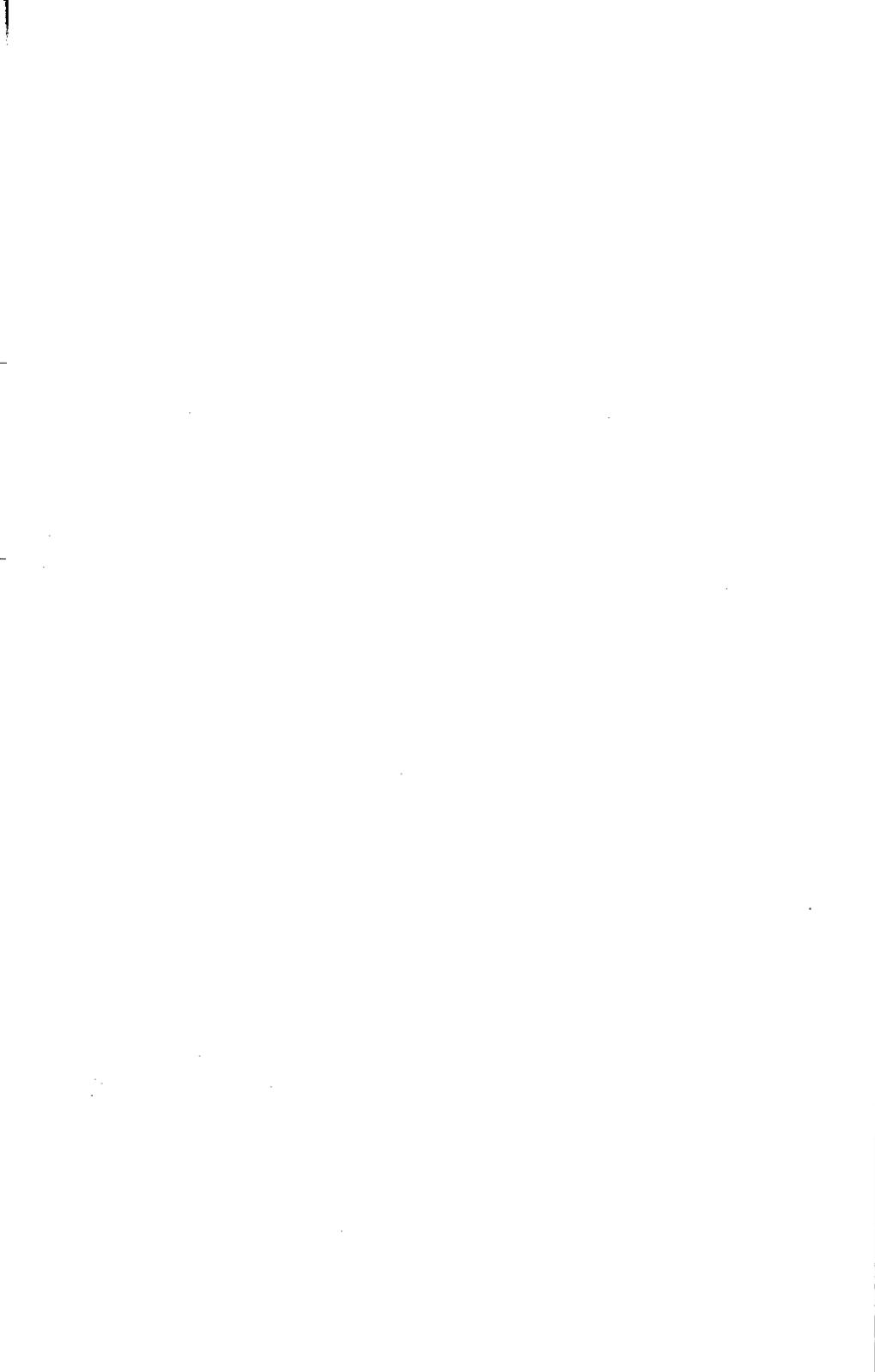
۲ ستمبر ۱۹۰۳ء

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں باہتمام حکیم فضل دین طبع ہوا

بار دوم   قیمت ۸ر علاوہ محصول   تعداد ۴۰۰

انٹروڈکشن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ الشَّفِیۡعِ الۡمُشَفَّعِ الۡمُطَاعِ الۡمَکِیۡنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ ؕ

مباحثات و مناظرات نفس الامر میں بہت ہی مفید امور ہیں۔ فطرت انسانی کی ترقی جیسے طبعٌ کورانہ تقلید سے کراہت ہے اور جیسے ہر وقت جدید تحقیقات کی دُھن لگی رہتی ہو اسی پر موقوف ہے۔ انسان کی طبیعت میں جذبات اور جوش ہی ایسے مخمر کئے گئے ہیں کہ کسی دوسرے ہم جنس کی بات پر تسلیم جھکانا اسے سخت عار معلوم ہوتا ہے ایامِ جاہلیت (جو اسلام کی اصطلاح میں کفر کا زمانہ ہے اور جو ہمارے ہادی کامل آفتابِ صداقت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا زمانہ ہے) میں بڑی حمیت والے تشدید الفکر سردارانِ عرب اسپر فخر کرتے ہیں کہ ہم وہ لوگ ہیں جو کسی کی بات مانا نہیں کرتے درحقیقت یہ ایک سر ہے جو ایک بڑی بھاری غرض کے لئے حکیم حمید نے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے۔ غرض اِس سے یہ ہے کہ یہ ہستی بہائم کی طرح صمٌ بکمٌ اور مقلد محض نہ ہو بلکہ ایک کی بات دُوسرے کی جدت پسند ایجادی طبیعت کے حق میں زبردست محرک اور اشتعال انگیز ہو۔ اگر عادت اللہ یُوں جاری ہوتی کہ ایک نے کہی اور دُوسرے نے مانی تو یہ نیرنجات و عجائبات سے بھرا ہوا عالم ایک سُنسان ویرانہ اور وحشت آباد بیابان سے زیادہ نہ ہوتا مگر حکیم خدا نے اپنا جلال ظاہر کرنے کے لئے ہر چیز کے وجود کے ساتھ شرکاء کا وجود بھی لازم کر رکھا ہے۔ کم ہی کوئی ایسی شئے ہوگی جو زوجین یا ذوجہین نہ ہو۔ اس قابلِ فخر فضیلت کو بھی اِسی قاعدہ کلیہ کے موافق بڑی سخت قبیح رذیلت یعنی تعصب۔ بیجا اصرار معاندانہ ضد۔ فرضی مسلّماتِ قومی کی تیج۔ خلافِ حق نفسانیت نے اسکے محققانہ بلند مرتبہ سے گرا کر اور عامیانہ اخلاق کی پست اور ذلیل سطح پر اتار کر اسکو عالم میں بے اعتبار کر دیا۔ نہ صرف بے اعتبار بلکہ مہیب خونخوار بنا دیا۔ یوں ایک سچی اور صحیح اور ضروری اصل کو انسان کے بیجا استعمال کی درازدستی نے ایسا بگاڑا۔ ایسا بدنام کیا کہ اس

آزادی و اصلاح کو ہر قسم کے مفسدات۔ شرور۔ اور تمدن و معاشرت کی خرابیوں کا منبع کہا گیا۔ بدقسمتی سے بدعمل بنی آدم نے جہاں مباحثہ و مناظرہ کی مجلس قائم کی۔ بس طرفۃ العین میں اسے تاریک و قتوں کی کشتی پنجہ زنی اور نبرد آزمائی کے خوفناک دنگل کی صورت سے بدل دیا۔ تواریخ عامہ کو چھوڑ کر مقدس تاریخ (کتب السیر) کو اُٹھا کر دیکھو۔ صحابہ میں بھی اُمور پیش آمدہ اور مسائل مہمہ کے بارہ میں جن میں کسی قسم کا اشکال و ابہام ہوتا اور کتاب و سنّت کی نورانی چمک اسکی تاریکی کو اُٹھا دینے کی متکفل نہ ہوتی۔ مباحثے ہوتے۔ بڑے بڑے اہلِ علم فقہا جمع ہوتے۔ مگر وُہ اس سچے نوُر سے منوّر تھے اور راہِ حق میں نفسانی جذبات کو نیست و نابود کر چکے تھے۔ بڑی آشتی و لطف سے امر متنازعہ فیہ کی اُلجھن کو سلجھا لیتے و للہ درمن قال

جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا ۔ خلاف آشتی سے خوش آئندتر تھا

حضرت مقدسہ مطہرہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) بڑی مناظرہ کرنیوالی تھیں۔ اکثر واقعات میں صحابہ نے انکی خدمت کی طرف رجوع کیا اور مباحثات کے بعد حضرت صدیقہ کے مذہب کو اختیار کیا۔

الغرض مباحثہ کوئی بدعت اور دراصل فساد انگیز شئے نہ تھی۔ مگر مغلوب الغضب۔ بہائم سیرت متنازعین کی بے اندامیوں نے اسے بدعت و طغیان کی حد سے بھی کہیں پرے کر دیا ہے۔

کچھ مدّت سے حضرت مرزا **غلام احمد** صاحب قادیانی نے (رب جلیل کے القاء و اعلام سے) یہ دعویٰ کیا ہے (۱) کہ حضرت مسیح اسرائیلی صاحبِ انجیل اپنے دُوسرے بھائیوں (انبیاء علیہم السّلام) کی طرح فوت ہو چکے ہیں۔ قرآن کریم انکی وفات کی قطعی اور جزمی شہادت دے چکا ہے۔ اور (۲) دوبارہ دنیا میں آنیوالے ابن مریم سے مراد مثیل المسیح کے وجود سے ہے نہ مسیح اصیل سے اور (۳) میں مسیح موعود ہوں جو بشاراتِ الٰہیہ کی بنا پر دُنیا میں اصلاح خلق کے لئے آیا ہوں۔

حضرت مرزا صاحب نے اسی سنّت اللہ کے موافق جو انبیاء اور محدّثین کی سیرت سے عیاں ہے۔ ان دعاوی خصوصًا ہمتمًا ان دو دعووں کی اجابت کی طرف کافۃ الناس کو بآواز بلند و ندائے عام بلایا۔ اہلِ پنجاب سے (بحکم آیت شریفہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ[1]) بٹالہ کے شیخوں میں کے ایک بزرگ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب اس دعوت کی تردید پر کھڑے ہوئے۔ لوگوں کے اعتقاد کے موافق ان جدید دعووں نے عقائد قدیمہ کی دُنیا میں فوق العادت رستخیز پیدا

[1] الحج: ۵۳

کر رکھی تھی۔ اور ہر ایک سرسری دیکھنے والے کو بھی وہ عمارتیں جو سراسر ریت پر اُٹھائی گئی تھیں اس پر زور سیلاب کی رَو کے صدمہ سے بہتی نظر آنے لگیں۔ مدت کی مانی ہوئی بات کی اُلفت نے کسی حامی و معاون کی مشتاقانہ تلاش میں نگاہیں چاروں طرف دوڑا رکھی تھیں۔ مولوی محمد حسین کے وجود میں انھیں مغتنم حامی اور عزیز حریف مقابل نظر آیا۔ سچی ارادت اور مضبوط عقیدت نے متفقاً ہر طرف سے منقطع ہو کر اب مولوی ابوسعید صاحب کو امید و بیم کا مرجع قرار دیا۔ پنجاب کے اکثر مساجد نشین علما نے (جو بظاہر اپنے تئیں غیر مقلد و محقق کہتے ہیں) ایک آواز ہو کر بڑے فخر سے ہمارے بٹالوی مولوی صاحب کو اپنا وکیل مطلق قرار دیا۔ سب سے پہلے لاہور کی ایک برگزیدہ جماعت نے جنہوں نے اب تک اپنی عملی زندگی سے ثبوت دیا ہے کہ وہ اسلام کے سچے خیر خواہ اور حق پسند و حق بین لوگ ہیں میرے شیخ و حقیقی دوست مولوی نور الدین کو جبکہ وہ لدیانہ میں اپنے مُرشد حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر تھے بڑے خلوص اور بڑے اصرار و الحاح سے لاہور میں بلایا کہ وہ اُنہیں ان مسائل مشکلہ کی کیفیت پر آگاہ کریں۔ مولوی نور الدین صاحب کی تشریف آوری پر طبعاً وہ اس طرف متوجہ ہوئے کہ مولوی ابوسعید صاحب کو جو ان دعاوی کے بطلان کے مدعی ہیں ان کے مقابل کھڑا کر کے جانبین کے اسلامیانہ مباحثہ اور صحابیانہ طرز مناظرہ سے حق دائر کو پالیں۔ مگر افسوس ان کے زعم کے خلاف ایک حلیم۔ متواضع اور دل کے غریب مولوی کے مقابلہ میں جناب مولوی ابوسعید صاحب نے صحابہ کے طرز مناظرہ کا ثبوت نہ دیا۔ مشتاقین کی تڑپتی رُوحوں کے تقاضا کے خلاف اصل بنائے دعویٰ کو چھوڑ کر مولوی ابوسعید صاحب نے ایک خانہ ساز طومار اصول موضوعہ کا پیش کر کے حاضرین اور بے صبر مشتاقین کے عزیز وقت اور قیمتی آرزوؤں کا خون کر دیا اور معاملہ جُوں کا تُوں رہ گیا۔

اسکے بعد حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کی تائید میں کتابیں اور رسالے یکے بعد دیگرے شائع ہونے شروع ہوئے اور فوج فوج حق طلب لوگ اس رُوحانی اور پاک سلسلہ میں داخل ہونے لگے۔ مدافعین و مخالفین نے بجائے اس کے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کی نسبت قرآن کریم اور حدیث صحیح صریح کی بنا پر استدلال کر کے اپنے پرانے عقیدہ کی حمایت کرتے اور لوگوں پر اس جدید دعویٰ کی کمزوری کو ثابت کرتے عادتاً تکفیر بازی کی پتنگیں اور کنکوے

ادھر اُدھر اُڑانے شروع کئے جو حقانیت کی تند باد کی زد سے ٹوٹ کر اور پھٹ کر نابود ہو گئے۔
کچھ عرصہ کے بعد بعض زبردست احباب کی ناقابل تردید انگیخت اور انکے بار بار شرم دلانے سے پھر مولوی صاحب نے کروٹ لی۔ اور آخر کار زور آور دھکوں سے کر کے لودیانہ پہنچائے گئے۔
اَب سے اس مباحثہ کی بنا پڑنے لگی جو الحق کے ان چاروں نمبروں میں درج ہے۔

لودھیانہ والے مباحثہ پر چند ریمارکس

ہمارے مقصد میں داخل نہیں کہ ہم اس وقت یہاں مباحثہ کے جزوی یا کلی حالات اور دیگر متعلقات سے تعرض کریں۔ اس مضمون پر ہمارے معزز و مکرم دوست منشی غلام قادر صاحب فصیح اپنے گرامی پرچہ پنجاب گزٹ کے ضمیمہ مورخہ ۱۴ اگست میں پوری روشنی ڈال چکے ہیں۔ ہمیں بحث کی اصل غرض اور علتِ غائی اور آخر کار اسکے نتیجہ واقع شدہ سے تعلق ہے۔ الحاصل مولوی ابو سعید صاحب لودیانہ لائے گئے۔ اسلامی جماعتوں میں ایک دفعہ پھر حرکت پیدا ہوئی اور ہر ایک نے اپنے مشتاق خیال کے بلند ٹیلہ پر چڑھ کر اور تصور کی دوربین لگا کر اس مقدس جنگ کے نتیجہ کا انتظار کرنا شروع کیا۔
آخر مباحثہ شروع ہوا۔ ۱۲ روز تک اس کارروائی نے طول پکڑا۔ مگر افسوس نتیجہ پر لودیانہ کے لوگ بھی پورے معنوں میں اپنے بھائیوں اہلِ لاہور کی قسمت کے شریک رہے۔ مولوی صاحب نے اَب بھی وہی اصول موضوعہ پیش کر دیئے۔ حالانکہ نہایت ضروری تھا کہ وہ بہت جلد اس فتنہ کا دروازہ بند کرتے جو اُنکے زعم کے موافق اسلام و مسلمانان کے حق میں شدید مضر ثابت ہو رہا تھا یعنی اگر راستی و حقانیت پر اپنی انھیں پوری بصیرت اور وثوق کامل تھا تو وہی سب سے پہلے ہر طرف سے ہٹ کر اور لایعنی امور سے مُنہ موڑ کر حضرت مرزا صاحب کے اصل بنائے دعوی یعنی وفاتِ مسیح کی نسبت گفتگو شروع کرتے۔ یہ تو کمزور اور بے سامان کا کام ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کیلئے اِدھر اُدھر پنجے مارتا اور ہاتھ اڑاتا ہے۔ انپر واجب تھا کہ فوراً قرآن کریم سے کوئی ایسی آیت پیش کرتے جو حضرت مسیح کی حیات پر دلیل ہوتی۔ یا ان آیات کے معانی پر جرح کرتے اور ان دلائل

کو قرآن سے یا حدیث صریح صحیح سے توڑ کر دکھلانے جو حضرت مرزا صاحب نے مسیح کی موت پر لکھی ہیں مگر اس دلی شعور نے کہ وُہ واقعی بے سلاح ہیں انھیں اس طرف مائل کیا کہ وُہ جُوں تُوں کر کے اپنے مُنہ کے آگے سے اس موت کے پیالہ کو ٹال دیں، وُہ نہ ٹلا۔ اور آخر مولوی صاحب پر ذلت کی موت وارد ہُوئی!

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔ اَب اُمید ہے کہ وہ حسب قاعدہ کلّیہ اس دُنیا میں پھر نہ اُٹھیں گے۔ چنانچہ لاہوری برگزیدہ جماعت نے بھی انھیں مُردہ یقین کر کے اس درخواست میں اور بظاہر زندہ مولویوں کو مخاطب کیا ہے اور اُنپر فاتحہ پڑھدی ہے ہم بھی انھیں رُوح میں مُردہ سمجھتے اور اُنکی موت پر تاسف کرتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اِسلامی پبلک حیران ہے کہ کیوں مولوی ابوسعید صاحب نے اِس بحث اور گزشتہ بحث میں قرآنِ کریم کی طرف آنے سے گریز کرنا پسند کیا اور کیوں وُہ صاف صاف قرآنِ کریم اور فرقانِ مجید کی رُو سے وفات وحیات مسیح کے مسئلہ کی نسبت گفتگو کرنے کی جرأت نہ کرتے یا عمداً کرنا نہ چاہتے تھے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ کریم اپنی نصوص قطعیہ بیّنہ کا جرّار و کرّار لشکر اور اَن گنت لشکر لے کر حضرت مرزا صاحب کی تائید پر آمادہ ہے۔ دو سو آیت کے قریب حضرت مسیح کی وفات پر بالصراحت دلالت کر رہی ہیں۔ مولوی ابوسعید صاحب نے نہ چاہا (اگر وُہ چاہتے تو جلد فیصلہ ہو جاتا) کہ قرآنِ مجید کو اِس نزاع میں حِلداور بلاواسطہ حکم اور فاصل بنادیں اِسلئے کہ وُہ خوب سمجھتے تھے کہ سارا قرآن آنحضرت مرزا صاحب کے ساتھ ہے اور وُہ اس خواہ نخواہ معاندانہ کارروائی سے زک اٹھائیں گے۔ لیکن پیش بندی یہ مشہور کرنا اور بات بات میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ مرزا صاحب حدیث کو نہیں مانتے۔ نعوذ باللہ۔ ہم اس امر کا فیصلہ اہلِ تحقیق ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔ وُہ دیکھ لینگے۔ اور مرزا صاحب کے جابجا اقراروں سے بخوبی سمجھ لیں گے کہ حدیث کی سچّی اور واقعی عزّت حضرت مرزا صاحب ہی نے کی ہے۔ انکا مدّعا منشا یہ ہے کہ حدیث کے ایسے معنے کئے جائیں جو کسی صُورت میں کتاب اللہ الشریف کے مخالف نہ پڑیں۔ بلکہ حدیث کی عزّت قائم رکھنے کیلئے اگر اس میں کوئی ایسا پہلو ہو جو بظاہر نظر کتاب اللہ کی مخالفت کا احتمال رکھتا ہو۔ تو وُہ اللہ تعالےٰ کی مدد سے اسے قرآن کے ساتھ توفیق و تطبیق دینے کی سعی بلیغ کرتے ہیں اگر ناچار کوئی ایسی

حدیث (متعلق قصص۔ ایام واخبار) ہو کہ قرآنِ کریم کے سخت مخالف پڑی ہو۔ تو وہ کتاب اللہ کو بہمہ وجوہ واجب الادب واجب التعظیم اور واجب التفضیل سمجھکر اس حدیث کی صحت سے انکار کرتے ہیں۔ اور ٹھیک حضرت صدیقہ کی طرح جیسا کہ انہوں نے اس روایت کو اِنَّ المَیّتَ یُعَذَّبُ بِبُکَاءِ اَھلِہٖ قرآنِ کریم کی آیت لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزرَ اُخریٰ کے مقابلہ میں ردّ کر دیا تھا۔ حضرت اقدس مرزا صاحب (جنکا اصلی مشن اور منصبی فرض قرآن مجید کی عظمت کا دُنیا میں قائم کرنا اور اسی کی تعلیم کا پھیلانا ہے) بھی ایسی مخالف و معارض قرآن حدیثوں کو (اگر ہوں اور پھر جس کتاب میں ہوں) قرآن کے مقابلہ میں بلا خوف لومۃ لائم کے ردّ کر دیتے ہیں۔

اے ناظرین۔ اے عاشقان کتاب رب العلمین! اللہ سوچو! اس اعتقاد میں کیا قباحت ہے! اسپر یہ کیسا ناشدنی ہنگامہ ہے جو ابنائے روزگار نے مچا رکھا ہے! لوگ کہتے ہیں کہ فیصلہ نہیں ہُوا۔ گو بالصراحت چونکہ اس اہل متنازع فیہ مسائل میں گفتگو نہیں ہوئی نہ کہا جاسکے کہ بیّن فیصلہ ہُوا۔ مگر مرزا صاحب کے جوابات کے پڑھنے والوں پر پُوری وضاحت سے کُھل جائیگا کہ احادیث کی دو قسمیں کرکے دُوسری قسم کی حدیثوں کو جو تعامل کی قوت سے تقویت یافتہ نہ ہوں اور پھر قرآنِ کریم سے معارضہ کرتی ہوں۔ حضرت مرزا صاحب نے تردید کرکے درحقیقت امر متنازع فیہ کا قطعی فیصلہ کر دیا ہے۔ گویا صاف سمجھا دیا ہے کہ قرآن مجید صریح منطوق سے حضرت مسیح کی مَوت کی خبر دیتا ہے اور یہ ایک واقعہ ہے۔ اَب اگر کوئی حدیث نزول ابنِ مریم کی خبر دیتی ہو۔ تو لامحالہ یہی سمجھا جائے گا کہ وُہ کسی مثیل مسیح کی خبر دیتی ہے۔ اور اگر اس میں کوئی ایسا پہلو ہوگا جو بوجہ من الوجوہ قرآن سے تطبیق نہ دیا جاسکے تو وُہ ضرور ضرور ردّ کی جائے گی۔ پس بہرحال قرآنِ کریم اکیلا بلا کسی منازع و حریف کے میدانِ اثباتِ دعویٰ میں کھڑا رہا اور حق بھی یہی ہے کہ وُہ تنہا بلا کسی مدمقابل کے اپنی نصوص کی صداقت ثابت کرنیوالا اور کسی کتاب کسی نوشتہ اور کسی مجموعہ کی کیا طاقت اور کیا مجال ہے کہ اس کے دعاوی کو توڑنے کا دم مار سکے۔ اور یہی مرزا صاحب کا مدّعا ہے۔ سو در اصل وہ فیصلہ دے چکے اور کر چکے ہیں۔ ہمارا ارادہ تھا کہ مولوی ابو سعید صاحب کے اشتہار لودیانہ مورخہ یکم اگست کی ان باتوں پر توجّہ کرتے جنکے جواب کی تحریر کا

ایسا معزز ایڈیٹر پنجاب گزٹ نے اپنے ضمیمہ میں ہماری طرف کیا تھا مگر ہم نے اس اثنا میں اپنے وسیع تجربہ سے دیکھ لیا ہے کہ معزز اور ذی فہم مسلمان اس بے بنیاد اشتہار کو بتمامہ سخت حقارت سے دیکھنے لگ گئے ہیں۔ ہمارا اسکی طرف اب متوجہ نہ ہونا ہی اُسے گمنامی کے انتہاہ کنوئیں میں پھینک دینا ہے۔

آخر میں ہم افسوس سے کہتے ہیں کہ اگر مولوی ابوسعید صاحب معنیً بھی سعید ہوتے تو یاد کرتے اپنے اس فقرہ کو جو وہ ریویو براہین احمدیہ میں لکھ چکے ہوئے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔
"مؤلف براہین الوہیئت غیبی سے تربیت پاکر مورد الہامات غیبیہ وعلوم لدنیہ ہوئے ہیں"۔ پھر لکھتے ہیں "کیا کسی مسلمان متبع قرآن کے نزدیک شیطان کو بھی قوت قدسی ہے کہ وہ انبیاء و ملائکہ کی طرح خدا کی طرف سے مغیبات پر اطلاع پائے اور اس کی کوئی بات غیب وصدق سے خالی نہ جائے"۔ یعنی مرزا صاحب صاحبِ قوتِ قدسیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ انھیں مغیبات پر اطلاع دیتا ہے۔

باوجود اس تصدیق اور ایسے اقرار سابق کے مناسب نہ تھا کہ اسی قلم سے کاذب۔ مفتری۔ نیچری اور مغالطہ دہندہ وغیرہ الفاظ نکلتے! رَبَّنَا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ۔

ناظرین پر مخفی نہ رہے کہ الحق آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے پراسپکٹس کے موافق مضامین شائع کیا کرے گا۔ درحقیقت یہ ایک صورت میں حضرت اقدس مرزا صاحب کی کارروائیوں کو جو سراسر صدق وصلاح پر مبنی ہیں ہر قسم کی ممکن اور محتمل غلط فہمیوں اور ناجائز نکتہ چینیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے بڑی وضاحت سے بیان کیا کرے گا۔ وَمَا تَوْفِيقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

عبدالکریم

مابین

حضرت اقدس مسیح موعود جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

اور

مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی

سوال نمبر ۱

مولوی صاحب

میں آپ کے چند عقائد و مقالات پر بحث کرنا چاہتا ہوں مگر اس سے پہلے چند اصول کی تمہید ضروری ہے آپ اجازت دیں تو میں ان اصول کو پیش کروں۔

دستخط ابو سعید محمد حسین ۲۰ ؍ جولائی ۱۸۹۱ء

مرزا صاحب

آپ کو اجازت ہے بخوشی پیش کریں۔ لیکن اگر یہ عاجز مناسب سمجھے گا تو آپ سے بھی چند اصول تمہیدی دریافت کرے گا۔ دستخط غلام احمد ۲۰ ؍ جولائی ۱۸۹۱ء

سوال نمبر ۲

مولوی صاحب

میرے ان اصول کو جنکو میں رسالہ ۱ جلد ۱۲ میں بیان کرچکا ہوں اور انکو آپ کے حواری حکیم نورالدین نے تسلیم کیا ہے آپ بھی تسلیم کرتے ہیں یا کسی اصول کے تسلیم میں عذر ہے۔

دستخط ابوسعید محمد حسین ۲۰ر جولائی ۱۸۹۱ء

مرزا صاحب

مجھے ان اصول کی اطلاع نہیں پہلے مجھے بتلائے جائیں تب ان کی نسبت بیان کروں گا۔

دستخط غلام احمد ۲۰ر جولائی ۱۸۹۱ء

پرچہ نمبرا

مولوی صاحب

وہ اصول یہ ہیں جو رسالہ میں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ ان اصول میں سے جس اصول کی آپکو تسلیم یا عدم ظاہر کرنا ہو تو آپ ظاہر کریں۔ چونکہ رسالہ چھپا ہوا ہے لہذا ان اصول کے دوبارہ تحریر میں لانے کی ضرورت نہیں ہے آپ ایک ایک اصول پر یکے بعد دیگرے کلام کریں۔

دستخط ابوسعید محمد حسین ۲۰ر جولائی ۹۱ء

مرزا صاحب

کتاب و سنت کے حجج شرعیہ ہونے میں میرا یہ مذہب ہے کہ کتاب اللہ مقدم اور امام ہے۔ جس امر میں احادیث نبویہ کے معانی جو کئے جاتے ہیں کتاب اللہ کے مخالف واقع نہ ہوں۔ تو

وہ معانی بطور حجتہ شرعیہ کے قبول کئے جائینگے لیکن جو معانی نصوص بیّنہ قرآنیہ سے مخالف واقع ہونگے ان معنوں کو ہم ہرگز قبول نہیں کرینگے۔ بلکہ جہانتک ہمارے لئے ممکن ہوگا ہم اس حدیث کے ایسے معانی کرینگے جو کتاب اللہ کی نص بیّن سے موافق و مطابق ہوں۔ اور اگر ہم کوئی ایسی حدیث پائیں گے جو مخالف نص قرآنِ کریم ہوگی اور کسی صورت سے ہم اس کی تاویل کرنے پر قادر نہیں ہوسکیں گے تو ایسی حدیث کو ہم **موضوع** قرار دیں گے۔ کیونکہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ **فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ**[1]۔ یعنی تم بعد اللہ اور اس کی آیات کے کس حدیث پر ایمان لاؤگے۔ اِس آیت میں صریح اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر قرآنِ کریم کسی امر کی نسبت قطعی اور یقینی فیصلہ دیوے یہانتک کہ اس فیصلہ میں کسی طور سے شک باقی نہ رہ جاوے اور منشاء اچھی طرح سے کھل جائے تو پھر بعد اسکے کسی ایسی حدیث پر ایمان لانا جو صریح اس کے مخالف پڑی ہو۔ مومن کا کام نہیں ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ **فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ**[2]۔ ان دونوں آیتوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اس لئے اس جگہ تصریح کی ضرورت نہیں۔ سو آیات متذکرہ بالا کے رُو سے ہر ایک مومن کا یہی مذہب ہونا چاہیئے کہ کتاب اللہ کو بلا شرط اور حدیث کو شرطی طور پر حجّت شرعی قرار دیوے اور یہی میرا مذہب ہے۔

(۲) اور آپ کے دُوسرے امر مندرجہ صفحہ ۱۹ اشاعۃ السنہ کی نسبت علیحدہ جواب دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا جواب اسی میں آگیا ہے یعنی جو امر قول یا فعل یا تقریر کے طور پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم اس امر کو بھی اُسی محک سے آزمائیں گے اور دیکھیں گے کہ حسب آیت شریفہ **فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ** وُہ حدیث قولی یا فعلی قرآن کریم کی کسی صریح اور بیّن آیت سے مخالف تو نہیں۔ اگر مخالف نہیں ہوگی تو ہم بسر وچشم اس کو قبول کرینگے اور اگر بظاہر مخالف نظر آئے گی تو ہم حتی الوسع اسکی تطبیق اور توفیق کے لئے کوشش کرینگے۔ اور اگر ہم باوجود پوری پوری کوشش کے اِس امر تطبیق میں ناکام رہیں گے اور صاف صاف کھلے طور پر ہمیں مخالف معلوم ہوگی تو ہم افسوس کے ساتھ اس حدیث کو ترک کر دینگے۔ کیونکہ حدیث کا پایہ قرآن کریم کے پایہ اور مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ قرآن کریم وحی متلو ہے۔ اور اس کے جمع کرنے اور محفوظ رکھنے میں وہ اہتمام بلیغ کیا گیا ہے کہ احادیث کے اہتمام

[1] جاثیۃ : ۷　[2] اعراف : ۱۸۶

کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ اکثر احادیث غایت درجہ مفید ظن ہیں اور ظنی نتیجہ کی منتج ہیں۔ اور اگر کوئی حدیث تواتر کے درجہ پر بھی ہو تاہم قرآن کریم کے تواتر سے اس کو ہرگز مساوات نہیں بالفعل اسی قدر لکھنا کافی ہے۔

دستخط غلام احمد ۲۰ر جولائی ۱۸۹۱ء

پرچہ نمبر ۲

مولوی صاحب

آپکے کلام میں میرے سوال کا صاف اور قطعی جواب نہیں ✤ ہے آپنے قبولیت و حجیت حدیث یا سُنّت کی ایک شرط بتائی ہے۔ یہ ظاہر نہیں کیا کہ اس حدیث یا سُنّت میں جو کتب حدیث خصوصاً صحیحین میں ہے جنکا ذکر اصول سیوم میں ہے پائی جائے متحقق ہے یا نہیں بناءً علیہ وہ حدیث یا سُنّت جو ان کتب میں ہے حُجّت شرعی ہے یا نہیں علاوہ بر آں اس کلام میں آپنے جو شرط حُجیت و قبولیت بیان کی ہے وہ شرط قانون درایت ہے نہ قانون روایت۔ اب آپ یہ بیان کریں کہ اصول روایت کے رُو سے کتب حدیث خصوصاً صحیحین جن کا ذکر اصل سیوم میں ہے مثبت سُنّت نبویہ ہیں یا نہیں اور ان کتابوں کی احادیث بلا دفعہ و شرط واجب العمل والاعتقاد ہیں یا ان کتابوں میں ایسی احادیث بھی ہیں جن پر بلا تحقیق صحت بحسب اصول روایت عمل یا اعتقاد جائز نہیں ۰

ابو سعید محمد حسین ۲۰ر جولائی ۱۸۹۱ء

مرزا صاحب

مولوی صاحب کا جواب سُنکر میں عرض کرتا ہوں کہ میرے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر یک حدیث

✤ نوٹ مولوی صاحب کی سمجھ پر ہمیں حیرت آتی ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے تو صاف اور قطعی جواب دیدیا ہے آپ ایک مخفی غرض کو سینہ میں دبا کر کیوں لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا چاہتے ہیں مرزا صاحب صاف فرماتے ہیں "جو امر قول یا فعل یا تقریر کے طور پر ... الخ خواہ وہ احادیث صحیحین کی ہوں یا غیر صحیحین کی" اڈیٹر۔

خواہ وہ بخاری کی ہو یا مسلم کی ہو اس شرط سے ہم کسی خاص معنوں میں جو بیان کئے جاتے ہیں قبول کرینگے کہ وُہ حدیث ان معنوں کے رُو سے قرآنِ کریم کے بیان سے موافق و مطابق ہو۔ اب زبانی بیان سے معلوم ہوا کہ آپ یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ "اصول روایت کی رُو سے کتب حدیث خصوصًا صحیحین مثبت سُنّتِ نبویہ ہیں یا نہیں۔ اور ان کتابوں کی احادیث بلا وقفہ واجب العمل و الاعتقاد ہیں یا ان کتابوں میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جن پر عمل و اعتقاد جائز نہیں" اس کا جواب میری طرف سے یہ ہے کہ چونکہ حدیثوں کا جمع ہونا ایسے یقینی اور قطعی طور سے نہیں کہ جس سے انکار کرنا کسی طور سے جائز نہ ہو۔ اور جس پر ایمان لانا اسی پایہ اور مرتبہ کا ہو جیساکہ قرآنِ کریم پر ایمان لانا۔ لہذا ہمارا یہ مذہب ہرگز ایسا نہیں ہے کہ روایت کے رُو سے بھی حدیث کو وہ مرتبہ یقینی دیں۔ جیساکہ ہم قرآنِ کریم کا مرتبہ اعتقاد رکھتے ہیں ✤ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حدیثیں غایت کار ظنّی ہیں اور جبکہ وہ مفید ظنّ ہیں تو ہم کیونکر روایت کی رُو سے بھی ان کو وُہ مرتبہ دے سکتے ہیں جو قرآنِ کریم کا مرتبہ ہے۔ جس طور سے حدیثیں جمع کی گئی ہیں اس طریق پر ہی نظر ڈالنے سے ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ہرگز ممکن ہی نہیں کہ ہم اُس یقین کے ساتھ انکی صحت روایت پر ایمان لاویں کہ جو قرآنِ کریم پر ایمان لاتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی حدیث بخاری یا مسلم کی ہے لیکن قرآنِ کریم کے کُھلے کُھلے منشاء سے برخلاف ہے تو کیا ہمارے لئے یہ ضروری نہیں ہوگا کہ ہم اس کی مخالفت کی حالت میں قرآنِ کریم کو اپنے ثبوت میں مقدم قرار دیں؟ پس آپکا یہ کہنا کہ احادیث اصول روایت کی رُو سے ماننے کے لائق ہیں۔ یہ ایک **دھوکا** دینے والا قول ہے۔ کیونکہ ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ حدیث کے ماننے میں جو مرتبہ یقین کا ہمیں حاصل ہے وہ مرتبہ قرآنِ کریم کے ثبوت سے ہموزن ہے یا نہیں؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ مرتبہ ثبوت کا قرآنِ کریم کے مرتبہ ثبوت سے ہموزن ہے تو بلاشبہ ہمیں اسی پایہ پر حدیث کو مان لینا چاہیئے۔ مگر یہ تو کسی کا بھی مذہب نہیں تمام مسلمانوں کا یہی مذہب ہے کہ اکثر احادیث مفید ظنّ ہیں۔ وَالظَّنُّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔ مثلاً اگر کوئی شخص اس قسم کی قسم کھاوے کہ اس حدیث کے تمام الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے

✤ **نوٹ**:۔ لیجئے مولوی صاحب فیصلہ شد۔ اب اس سے زیادہ صاف جواب آپ اور کیا چاہتے ہیں۔ اُمید ہے کہ آئندہ آپ شکایت نہ کریں گے۔ اڈیٹر۔

ہیں اور تمام الفاظ وحی الٰہی سے ہیں تو اِس قسم کے کہانے میں وُہ جھوٹا ہوگا۔ اور خود حدیثوں کا تعارض جو ان میں واقع ہے صاف دلالت کر رہا ہے کہ وُہ مقامات تحریف سے خالی نہیں ہیں پھر کیونکر کوئی مومن یہ اعتقاد رکھ سکتا ہے کہ حدیثیں روایتی ثبوت کے رُو سے قرآن کریم کے ثبوت سے برابر ہیں! کیا آپ یا کوئی اور مولوی صاحب ایسی رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ ثبوت کے رُو سے جس مرتبہ پر قرآن کریم ہے اسی قرینہ پہ حدیثیں بھی ہیں؟ پھر جبکہ آپ خود مانتے ہیں کہ حدیثیں اپنے روایتی ثبوت کی رُو سے اعلیٰ مرتبہ ثبوت سے گری ہوئی ہیں اور غایت کار مفید ظنّ ہیں تو آپ اِس بات پر کیوں زور دیتے ہیں کہ اسی مرتبہ یقین پر انھیں مان لینا چاہیئے جس مرتبہ پہ قرآن کریم مانا جاتا ہے۔ پس صحیح اور سچا طریق تو یہی ہے کہ جیسے حدیثیں صرف ظنّ کے مرتبہ تک ہیں بجز چند حدیثوں کے۔ تو اسی طرح ہمیں ان کی نسبت ظنّ کی حد تک ہی ایمان رکھنا چاہیئے۔ اور ہر ایک مومن خود سمجھ سکتا ہے کہ حدیثوں کی تحقیقات روایت کے نقص سے خالی نہیں کیونکہ انکے درمیانی راویوں کے چال چلن وغیرہ کی نسبت ایسی تحقیقات کامل نہیں ہو سکی اور نہ ممکن تھی کہ کسی طرح شک باقی نہ رہتا۔ آپ خود اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں لکھ چکے ہیں کہ احادیث کی نسبت بعض اکابر کا یہ مذہب ہوا ہے" کہ ایک ملہم شخص ایک صحیح حدیث کو بالہامِ الٰہی موضوع ٹھہرا سکتا ہے اور ایک موضوع حدیث کو بالہامِ الٰہی صحیح ٹھہرا سکتا ہے"۔ اب مَیں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جبکہ یہ حال ہے کہ کوئی حدیث بخاری یا مسلم کی بذریعہ کشف کے موضوع ٹھہر سکتی ہے تو پھر کیونکر ہم ایسی حدیثوں کو ہم پایہ قرآنِ کریم مان لینگے؟ ہاں یہ تو ہمارا ایمان ہے کہ ظنّی طور پر بخاری اور مسلم کی حدیثیں بڑے اہتمام سے لکھی گئی ہیں اور غالباً اکثر ان میں صحیح ہونگی۔ لیکن کیونکر ہم اِس بات پر حلف اُٹھا سکتے ہیں کہ بلاشبہ وُہ ساری حدیثیں صحیح ہیں جبکہ وُہ صرف ظنّی طور پر صحیح ہیں نہ یقینی طور پر تو پھر یقینی طور پر انکا صحیح ہونا کیونکر مان سکتے ہیں!

الغرض میرا مذہب یہی ہے کہ البتہ بخاری اور مسلم کی حدیثیں ظنی طور پر صحیح ہیں مگر جو حدیث صریح طور پر ان میں سے مبائن و مخالف قرآنِ کریم کے واقع ہوگی وہ صحت سے باہر ہو جائیگی آخر بخاری اور مسلم پر وحی تو نازل نہیں تھی۔ بلکہ جس طریق سے انھوں نے حدیثوں کو جمع کیا ہے اس طریق پر نظر ڈالنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ وُہ طریق ظنّی ہے اور انکی نسبت یقین کا ادعا کرنا ادعائے باطل ہے۔ دُنیا میں جو اسقدر مخالف فرقے اہلِ اسلام میں ہیں خاصکر مذاہبِ اربعہ ان چاروں

مذہبوں کے اماموں نے اپنے عملی طریق سے خود گواہی دیدی ہے کہ یہ احادیث ظنی ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اکثر حدیثیں انکو ملی ہونگی مگر انکی رائے میں وہ حدیثیں صحیح نہیں تھیں۔ بھلا آپ فرماویں کہ اگر کوئی شخص بخاری کی کسی حدیث سے انکار کرے کہ یہ صحیح نہیں ہے جیساکہ اکثر مقلدین انکار کرتے ہیں تو کیا وہ شخص آپکے نزدیک کافر ہو جائیگا؟ پھر جس حالت میں وہ کافر نہیں ہو سکتا۔ تو آپ کیونکر ان حدیثوں کو روایتی ثبوت کے رُو سے یقینی ٹھہرا سکتے ہیں؟ اور جبکہ وہ یقینی نہیں ہیں تو اس حالت میں اگر ہم کسی حدیث کو قرآنِ کریم کے مخالف پاویں گے اور صریح طور پر دیکھ لیں گے کہ وہ قرآنِ کریم سے صریح طور سے مخالف ہے اور کسی طور سے تطبیق نہیں دے سکتے تو کیا ہم ایسی صورت میں قرآنِ کریم کی اس آیت کو ساقط الاعتبار کر دینگے؟ یا اسکے کلامِ الٰہی ہونے کی نسبت شک میں پڑینگے؟ کیا کرینگے؟ آخر یہی تو کرنا ہوگا کہ اگر ایسی حدیث کسی طور سے کلامِ الٰہی سے تطبیق نہیں کھائے گی تو اس کو بغیر خوف زید و عمرو کے وضعی قرار دینگے۔ بلاشبہ آپکا نورِ قلب* اس بات پر شہادت دیتا ہوگا کہ حدیثیں اپنی روایتی ثبوت کے رُو سے کسی طور سے قرآنِ کریم سے مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اسی وجہ سے گو وہ وحی الٰہی میں ہوں نماز میں بجائے کسی سورۃ کے ان کو نہیں پڑھ سکتے۔ اور ایک نقص حدیثوں میں یہ بھی ہے کہ بعض حدیثیں اجتہادی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں اسی وجہ سے ان میں باہم تعارض بھی ہو گیا ہے۔ جیساکہ ابن صیّاد کے دجّال معہود ہونے کی نسبت جو حدیثیں ہیں وہ حدیثیں ان حدیثوں سے صریح اور صاف طور پر معارض ہیں۔ جو گرجا والے دجّال کی نسبت ہیں جن کا راوی تمیم داری ہے۔ اب ہم ان دونوں حدیثوں میں سے کس حدیث کو صحیح سمجھیں؟ دونوں حضرت مسلم صاحب کی صحیح میں موجود ہیں۔ ابن صیاد کے دجّال معہود ہونے کی نسبت یہاں تک وثوق پایا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوبرو قسم کھا کر بیان کیا کہ دجّال معہود یہی ہے تو آپ چپ رہے ہرگز انکار نہیں کیا۔ اور ظاہر ہے کہ نبی کا قسم کھانے کے وقت میں چپ رہنا گویا خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قسم کھانا ہے۔ اور پھر ابن عمر کی حدیث میں صریح اور صاف لفظوں میں موجود ہے کہ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ دجّال معہود یہی ابنِ صیّاد ہے اور جابر نے بھی قسم کھا کر کہا کہ دجّال معہود یہی ابن صیاد ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ بھی فرمایا کہ میں اپنی اُمت پر ابنِ صیاد کے دجّال معہود

* نوٹ اگر ہو اور اس پر اتباع ہوا کے حجاب و غلاف نہ چڑھے ہوں۔ اڈیٹر۔

ہونے کی نسبت ڈرتا ہوں۔ پھر ایک اور حدیث مسلم میں ہے جسمیں لکھا ہے کہ صحابہ کا اسپر اتفاق ہو گیا تھا کہ دجال معہود ابن صیاد ہی ہے۔ لیکن فاطمہ کی حدیث تمیم داری جو اسی مسلم میں موجود ہے صریح اسکے مخالف ہے۔ اب ہم ان دونوں دجالوں میں سے کس کو دجال سمجھیں؟ صدیق حسن صاحب جیسا کہ میرے ایک دوست نے بیان کیا ہے ابن صیاد کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور تمیم داری کی حدیث کو اپنی کتاب آثار القیامۃ میں ضعیف قرار دیتے ہیں۔ بہر حال اب یہ مصیبت اور رونے کی جگہ ہے یا نہیں کہ ایک ہی کتاب میں جو بعد بخاری کے اصح الکتب سمجھی گئی ہے۔ دو متعارض حدیثیں ہیں!!! جب ہم ایک کو صحیح مانتے ہیں تو پھر دوسری کو غلط ماننا پڑتا ہے۔ ماسوا اسکے تمیم داری کی حدیث میں صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ وہی دجال جو تمیم داری نے دیکھا تھا کسی وقت خروج کریگا۔ لیکن اسی مسلم کی تین حدیثیں صاف صاف ظاہر کر رہی ہیں کہ سو برس کے عرصہ تک کوئی شخص زندہ نہیں رہے گا۔ بلکہ پہلی حدیث میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر بیان فرمایا ہے کہ اس وقت سے سو برس تک کوئی جاندار زندہ زمین پر زندہ نہیں رہے گا۔ اب اگر ابن صیاد اور گرجا والا دجال جاندار اور مخلوق ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ مر گئے ہوں اب یہ دوسری مصیبت ہے جو دونوں حدیثوں کے صحیح ماننے سے پیش آتی ہے! آپ فرماویں* کہ ہم کیونکر ان دونوں کو باوجود سخت تعارض کے صحیح مان سکتے ہیں؟ پس اب بجز اس کے اور کیا راہ ہے کہ ہم ایک حدیث کو غیر صحیح سمجھیں۔ غرض کہاں تک بیان کیا جاوے جس قدر بعض احادیث میں تعارض و تخالف پایا جاتا ہے اس کے بیان کرنے کیلئے تو ایک رسالہ چاہیئے۔ مگر اس جگہ اس قدر کافی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر تمام حدیثیں روایت کے طور سے یقینی الثبوت ہوتیں تو یہ خرابیاں کاہیکو پڑتیں۔ اب میں خیال کرتا ہوں کہ آپ کے سوال کا پورا پورا جواب دے چکا ہوں۔ کیونکہ جس حالت میں یہ ثابت ہو گیا کہ حدیثیں بوجہ اپنی ظنی حالت اور تعارض اور دوسری وجوہ کے یقین کامل کے مرتبہ پر نہیں ہیں۔ اس لئے وہ بجز شہادت و موافقت قرآن کریم یا عدم خلاف اس کے حجت شرعی کے طور سے کام میں نہیں آسکتیں۔ اور قانون روایت کے رو سے ان کا وہ پایہ ہرگز تسلیم نہیں ہو سکتا جو قرآن کریم کا پایہ ہے۔ سو بالفعل اسی قدر لکھنا کافی ہے۔　　دستخط غلام احمد ۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء

* نوٹ [illegible]

پرچہ نمبر ۳

مولوی صاحب

نوٹ اسکے بعد مولوی صاحب نے چند سطر کا پھر ایک سراسر فضول جواب جس میں اعادہ پہلے ہی بیان کا تھا، دیا۔ جس کا ماحصل یہ تھا کہ میرا جواب آپنے ابتک نہیں دیا۔ چونکہ وہ پرچہ مختصر اور صرف چند سطریں تھا۔ غالباً انہیں کے ہاتھ میں رہا یا گم ہوگیا۔ بہرحال اس کا مفصل جواب لکھا جاتا ہے اور اس سے مولوی صاحب کے پرچہ کا مضمون بھی بخوبی ذہن نشین ہوجائیگا۔ افسوس مولوی صاحب کی یہ شکایت کہ انکے سوال کا جواب نہیں ملا ساتھ ساتھ لگی جاتی ہے۔ ناظرین غور کریں۔ ایڈیٹر۔

میرزا صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ

آپنے پھر میرے پر یہ الزام لگایا ہے کہ میں نے آپکے سوال کا جواب صاف نہیں دیا۔ میں حیران ہوں کہ میں کن الفاظ میں اپنے جواب کو بیان کروں یا کس پیرایہ میں ان گزارشوں کو پیش کروں تا آپ اسکو واقعی طور پر جواب تصور فرماویں * آپکا سوال جو اس تحریر اور پہلی تحریروں سے سمجھا جاتا ہے یہ ہے

* **نوٹ** عالیجناب! روح من قدسنوم آپ کیوں حیرت میں پڑنے کی تکلیف اٹھاتے ہیں مولوی صاحب تو یہی بے تکی ہانکے چلے جائینگے جبتک آپ انکے مافی البطن کے میلان کے موافق یا یوں کہیئے کہ جبتک آپ خلاف صدق و سداد کے جواب نہ دیں۔ اہل بصیرت تسلیم کرچکے ہیں کہ آپ صاف مدلل اور مسکت جواب دے چکے ہیں اور کئی بار دے چکے ہیں آپنے اس قوم کے بودے تار و پود کو ادھیڑ کر رکھ دیا ہے اسی بات کا دلی شعور مولوی صاحب کو بیقرار کرکے انکے منہ سے یہ مجنونانہ فقرہ نکلواتا ہے وہ یاد رکھیں کہ انکی مغالطہ دہی کا وقت جاتا رہا۔ اڈیٹر۔

کہ احادیث کتب حدیث خصوصاً صحیح بخاری و صحیح مسلم صحیح و واجب العمل ہیں یا غیر صحیح و ناقابل عمل۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ میرے منہ سے یہ کہلانا چاہتے ہیں کہ میں اس بات کا اقرار کروں کہ یہ سب کتابیں صحیح اور واجب العمل ہیں۔ اگر میں ایسا کروں تو غالباً آپ خوش ہو جائینگے اور فرمائینگے کہ اب میرے سوال کا جواب پورا پورا آگیا۔ لیکن میں سوچ میں ہوں کہ میں کس شرعی قاعدہ کے رُو سے ان تمام حدیثوں کو بغیر تحقیق و تفتیش کے واجب العمل یا صحیح قرار دے سکتا ہوں؟ طریق تقویٰ یہی ہے کہ جبتک فراست کاملہ اور بصیرت صحیحہ حاصل نہ ہو تب تک کسی چیز کے ثبوت یا عدم ثبوت کی نسبت حکم نافذ نہ کیا جاوے اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے۔ لا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اُولٰئک کان عنہ مسئولا[۱]۔ سو اگر میں دلیری کر کے اس معاملہ میں دخل دوں اور یہ کہوں کہ میرے نزدیک جو کچھ محدثین خصوصاً امامین بخاری اور مسلم نے تنقید احادیث میں تحقیق کی ہے اور جس قدر احادیث وہ اپنی صحیحوں میں لائے ہیں وہ بلاشبہ بغیر حاجت کسی آزمائش کے صحیح ہیں۔ تو میرا ایسا کہنا کن شرعی وجوہات و دلائل پر مبنی ہوگا؟ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ یہ تمام آئمہ حدیثوں کے جمع کرنے میں ایک قسم کا اجتہاد کام میں لائے ہیں اور مجتہد کبھی مصیب اور کبھی مخطی بھی ہوتا ہے۔ جب میں سوچتا ہوں کہ ہمارے بھائی مسلمان موحدین نے کس قانون قطعی اور یقینی کی رُو سے ان تمام احادیث کو واجب العمل ٹھہرایا ہے؟ تو میرے اندر سے نورِ قلب یہی شہادت دیتا ہے کہ صرف یہی اک وجہ ان کے واجب العمل ہونے کی پائی جاتی ہے کہ یہ خیال کر لیا گیا ہے کہ علاوہ اس خاص تحقیق کے جو تنقید احادیث میں آئمہ حدیث نے کی ہے۔ وہ حدیثیں قرآنِ کریم کی کسی آیہ محکمہ اور بیّنہ سے منافی اور متغائر نہیں ہیں اور نیز اکثر احادیث جو احکام شرعی کے متعلق ہیں تعامل کے سلسلہ سے قطعیت اور یقین تام کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں۔ ورنہ اگر ان دونوں وجوہ سے قطع نظر کیجائے تو پھر کوئی وجہ انکے یقینی الثبوت ہونے کی معلوم نہیں ہوتی۔ ہاں یہ ایک وجہ پیش کی جائے گی کہ اسی پر اجماع ہو گیا ہے۔ لیکن آپ ہی ریویو براہین احمدیہ کے صفحہ ۳۰۷ میں اجماع کی نسبت لکھ چکے ہیں کہ اجماع اتفاقی دلیل نہیں ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"اجماع میں اوّلاً یہ اختلاف ہے کہ یہ ممکن یعنی ہو بھی سکتا ہے یا نہیں بعضے اسکے امکان کو ہی نہیں مانتے۔ پھر ماننے والوں کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کا علم ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ایک جماعت امکان علم کے بھی منکر ہیں۔ امام فخرالدین رازی نے کتاب محصول میں یہ اختلاف بیان کر کے فرمایا ہے

[۱] بنی اسرائیل ع ۳۷

کہ انصاف یہی ہے کہ بجز اجماع زمانہ صحابہ جبکہ مومنین اہلِ اجماع بہت تھوڑے تھے اور ان سب کی معرفت تفصیلی ممکن تھی اور زمانہ کے اجماعوں کے حصول علم کی کوئی سبیل نہیں۔"

اسی کے مطابق کتاب حصول المامول میں ہے جو کتاب ارشاد الفحول شوکانی سے ملخص ہے اسمیں کہا۔" جو یہ دعویٰ کرے کہ ناقل اجماع ان سب علماء دُنیا کی جو اجماع میں معتبر ہیں معرفت پر قادر ہے وہ اس دعویٰ میں حد سے نکل گیا اور جو کچھ اُسنے کہا اٹکل سے کہا۔" خدا امام احمد حنبل پر رحم کرے کہ انہوں نے صاف فرما دیا ہے کہ جو دعویٰ اجماع کا مدعی ہے وہ جھوٹا ہے فقط۔

اَب میں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ بخاری اور مسلم کی احادیث کی نسبت جو اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے یہ دعویٰ کیونکر راستی کے رنگ سے رنگین سمجھ سکیں؟ حالانکہ آپ اس بات کے قائل ہیں کہ صحابہ کے بعد کوئی اجماع حجت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ آپ امام احمد صاحب کا قول پیش کرتے ہیں کہ جو وجود اجماع کا مدعی ہے وہ جھوٹا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ بخاری اور مسلم کی صحت پر بھی ہرگز اجماع نہیں ہوا۔ چنانچہ واقعی امر بھی ایسا ہی ہے کہ بہت سے فرقے مسلمانوں کے بخاری اور مسلم کی اکثر حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھتے۔ پھر جبکہ ان حدیثوں کا یہ حال ہے تو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ بغیر کسی شرط کے وہ تمام حدیثیں واجب العمل اور قطعی الصحت ہیں؟ ایسا خیال کرنے میں دلیل شرعی کونسی ہے؟ کیا کوئی قرآنِ کریم میں ایسی آیت پائی جاتی ہے کہ تم نے بخاری اور مسلم کو قطعی الثبوت سمجھنا؟ اور اس کی کسی حدیث کی نسبت اعتراض نہ کرنا؟ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی وصیت تحریری موجود ہے جس میں ان کتابوں کو بلالحاظ کسی شرط اور بغیر توسط محک کلام الٰہی کے واجب العمل ٹھہرایا گیا ہو؟ جب ہم اس امر میں غور کریں کہ کیوں ان کتابوں کو واجب العمل خیال کیا جاتا ہے تو ہمیں یہ وجوب ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے حنفیوں کے نزدیک اس بات کا وجوب ہے کہ امام اعظم صاحب کے یعنی حنفی مذہب کے تمام مجتہدات واجب العمل ہیں! لیکن ایک دانا سوچ سکتا ہے کہ یہ وجوب شرعی نہیں بلکہ کچھ زمانہ سے ایسے خیالات کے اثر سے اپنی طرف سے یہ وجوب گھڑا گیا ہے جس حالت میں حنفی مذہب پر آپ لوگ یہی اعتراض کرتے ہیں کہ وہ نصوص بیّنہ شرعیہ کو چھوڑ کر بے اصل اجتہادات کو محکم پکڑتے اور ناحق تقلید شخصی کی راہ اختیار کرتے ہیں تو کیا یہی اعتراض آپ پر نہیں ہو سکتا کہ آپ بھی کیوں بے وجہ تقلید پر زور مار رہے ہیں؟ حقیقی بصیرت اور معرفت کے کیوں طالب نہیں ہوتے؟ ہمیشہ آپ لوگ بیان کرتے تھے کہ جو حدیث صحیح ثابت ہے اسپر عمل کرنا

چاہیئے اور جو غیر صحیح ہو اس کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اب کیوں آپ مقلدین کے رنگ پر تمام احادیث کو بلاشرط صحیح خیال کر بیٹھے ہیں؟ اسپر آپ کے پاس شرعی ثبوت کیا ہے؟ کہاں سے امام محمد اسمٰعیل یا مسلم کی معصومیت ثابت ہو گئی ہے؟ کیا آپ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے کہ جس کو خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے فہم قرآن عطا کرے اور تفہیم الٰہی سے وہ مشرف ہو جاوے اور اسپر ظاہر کر دیا جائے کہ قرآن کریم کی فلاں آیت سے فلاں حدیث مخالف ہے اور یہ علم اس کا کمال یقین اور قطعیت تک پہنچ جائے تو اس کیلئے یہی لازم ہوگا کہ حتی الوسع اوّل ادب کی راہ سے اس حدیث کی تاویل کر کے قرآن شریف سے مطابق کرے۔ اور اگر مطابقت محالات میں سے ہو اور کسی صورت سے نہ ہو سکے تو بدرجہ ناچاری اس حدیث کے غیر صحیح ہونے کا قائل ہو۔ کیونکہ ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ ہم بحالت مخالفت قرآن شریف حدیث کی تاویل کی طرف رجوع کریں۔ لیکن یہ سراسر الحاد اور کفر ہوگا کہ ہم ایسی حدیثوں کی خاطر سے کہ جو انسان کے ہاتھوں سے ہم کو ملی ہیں اور انسانوں کی باتوں کا ان میں ملنا نہ صرف احتمالی امر ہے بلکہ یقینی طور پر پایا جاتا ہے، قرآن کو چھوڑ دیں!!! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ تفہیم الٰہی میرے شامل حال ہے اور وہ عزّ اسمہٗ جس وقت چاہتا ہے بعض معارف قرآنی میرے پر کھولتا ہے اور اصل منشا بعض آیات کا معہ اُن کے ثبوت کے میرے پر ظاہر فرماتا ہے اور میخ آہنی کی طرح میرے دل کے اندر داخل کر دیتا ہے اب میں اس خداداد نعمت کو کیونکر چھوڑ دوں اور جو فیض بارش کی طرح میرے پر ہو رہا ہے کیونکر اس سے انکار کروں!

اور یہ بات جو آپنے مجھ سے دریافت فرمائی ہے کہ اب تک کسی حدیث بخاری یا مسلم کو میں نے موضوع قرار دیا ہے یا نہیں۔ سو میں آپکی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے اپنی کتاب میں کسی حدیث بخاری یا مسلم کو ابھی تک

موضوع قرار نہیں دیا۔ بلکہ اگر کسی حدیث کو میں نے قرآن کریم سے مخالف پایا ہے تو خدا تعالیٰ[1] نے تاویل کا باب میرے پر کھولدیا ہے اور آپ نے یہ سوال جو مجھ سے کیا ہے کہ صحت احادیث کا معیار ٹھہرانے میں سلف صالحین سے آپکا کون امام ہے۔ میری اسکے جواب میں یہ عرض ہے کہ اس بات کا بارِ ثبوت میرے ذمہ نہیں۔ بلکہ میں تو ہر ایک ایسے شخص کو جو قرآن کریم پر ایمان لاتا ہے خواہ وہ گذر چکا ہے یا موجود ہے اسی اعتقاد کا پابند جانتا ہوں کہ وہ احادیث کے پرکھنے کیلئے قرآن کریم کو میزان اور معیار اور محک سمجھتا ہوگا۔ کیونکہ جس حالت میں قرآن کریم خود یہ منصب اپنے لئے تجویز فرماتا ہے اور کہتا ہے فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ[1]۔ اور فرماتا ہے قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی[2] اور فرماتا ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا[3]۔ اور فرماتا ہے ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی[4]۔ اور فرماتا ہے۔ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ[5]۔ اور فرماتا ہے۔ اِنَّہٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ[6]۔ لَا رَیْبَ فِیْہِ[7]۔ تو پھر اس کے بعد کون ایسا مومن ہے جو قرآن شریف کو حدیثوں کے لئے حکم مقرر نہ کرے؟ اور جبکہ وہ خود فرماتا ہے کہ یہ کلام **حکم** ہے اور **قول فصل** ہے اور حق اور باطل کی شناخت کے لئے **فرقان** ہے اور **میزان** ہے تو کیا یہ ایمانداری ہوگی کہ ہم خدا تعالیٰ کے ایسے فرمودہ پر ایمان نہ لائیں؟ اور اگر ہم ایمان لاتے ہیں تو ہمارا ضرور یہ مذہب ہونا چاہیئے کہ ہم ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول کو قرآن کریم پر عرض کریں تا ہمیں معلوم ہو کہ وہ واقعی طور پر اسی مشکوٰۃ وحی سے نور حاصل کرنے والے ہیں جس سے قرآن نکلا ہے یا اس کے مخالف ہیں۔ سو چونکہ مومن کے لئے یہ ایک **ضروری** امر ہے کہ قرآن کریم کو احادیث کا حکم مقرر کرے اس لئے ثبوت اس بات کا کہ سلف صالحین نے قرآن کریم کو حکم مقرر نہیں کیا آپ کے ذمہ ہے نہ میرے ذمہ۔ اس جگہ مجھے یہ **افسوس** بھی ہے کہ آپ قرآن کریم کا مرتبہ بخاری اور مسلم کے مرتبہ کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اگر کوئی حدیث کسی کتاب کو بخاری اور مسلم

نوٹ [1] یعنی سچے اور حقیقی معنوں کا۔ عوام الناس نے جو علم الٰہی سے مطلق ناآشنا ہیں تاویل کو مرادف وہم یا تحریف و تسویل کے سمجھ رکھا ہے یہ محض انکی کوتہ فہمی ہے انہیں اس لغت کے معنے خود قرآن کریم سے سمجھنا چاہیئے جہاں حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ[8]۔ یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُہٗ[9]۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منشا یہ ہے کہ جہاں کوئی ایسی حدیث آئی ہے جو بظاہر خلاف قرآن معلوم ہوتی تھی اللہ جلشانہ نے الہاماً مجھ پر اس کے حقیقی معنے کھولدیئے۔ ایڈیٹر۔

[1] الاعراف: ۱۸۶ [2] بقرہ: ۱۲۱ [3] آل عمران: ۱۰۴ [4] بقرہ: ۱۸۶ [5] شوریٰ: ۱۸ [6] الطارق: ۱۴ [7] بقرہ: ۳ [8] آل عمران: ۸ [9] اعراف: ۵۴

کی کسی حدیث سے مخالف اور مباین پڑے اور کسی طور سے تطبیق نہ ہو سکے تو آپ صاحبان فی الفور کہدیتے ہیں کہ وہ حدیث صحیح نہیں ہے مگر کمال افسوس کی جگہ ہو کہ یہ مذہب قرآن کریم کی نسبت آپ اختیار کرنا نہیں چاہتے !!!

اور اجماع کی نسبت جو آپنے دریافت فرمایا ہے مَیں تو پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ ابن صیّاد جو مسلمان ہو گیا تھا بیان کرتا ہو کہ لوگ مجھے ایسا کہتے ہیں کہ اسکی شہادت میں کوئی اشتباہ نہیں جس سے سمجھا جاتا ہو کہ عام طور پر صحابہ کا یہی خیال تھا کہ ابن صیّاد ہی دجّال معہود ہے۔ ماسوا اسکے حدیثوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہو کہ بعض صحابہ کا یہ مذہب ہو گیا تھا کہ حقیقت میں ابن صیّاد ہی دجّال معہود ہے اس صورت میں دوسرے صحابیوں کا خاموش رہنا صریح اس بات پر دلیل ہو کہ وہ اس مذہب کو مان چکے تھے اور اگر انکی طرف سے کوئی مخالفت اور انکار ہوتا تو ضرور وہ انکار ظاہر ہو جاتا۔ پس صحابہ کے اجماع کیلئے اسی قدر کافی ہے۔ بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو قسم کھا کر بیان کرنا کہ درحقیقت ابن صیّاد ہی دجّال معہود ہے صریح دلیل اجماع پر ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جماعتِ صحابہ سے اکیلے نہیں ہوتے تھے اور غالباً جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی ہو گی اسوقت بہت سی جماعت صحابہ کی موجود ہو گی۔ پس انکی خاموشی صریح اجماع پر دلیل ہے۔

پھر آپنے بیان فرمایا ہو کہ شرح السنہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول منقول نہیں ہو بلکہ اس میں ایک صحابی اپنا خیال ظاہر کرتا ہے حضرت اسکے جواب میں اسقدر کہنا کافی ہو کہ آپ لوگوں کے نزدیک تو صحابی کا قول بھی ایک قسم کی حدیث ہوتی ہے گو منقطع ہی سہی۔ صاف ظاہر ہے کہ صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا نہیں کر سکتا اور ڈرنے کی بات ایک ایسی بات ہو کہ جبتک آنحضرت صلعم اشارۃً یا صراحتاً بیان نہ فرماتے تو صحابی کی کیا مجال تھی کہ خود بخود آنجناب پر افترا کر لیتا۔ بلاشبہ اس نے سُنا ہو گا تب ہی تو اُس نے ذکر کیا۔ سو جو کچھ اس نے سُنا۔ اگرچہ آنحضرت صلعم کے الفاظ سے ظاہر نہیں کیا لیکن ایک بچہ کو بھی سمجھ آسکتی ہو کہ اس نے ضرور سُنا تب ہی بیان کیا۔ پس ظاہر ہے کہ یہ افترا نہیں بلکہ بیان واقعہ ہے کیا آپ اس صحابی پر حسن ظن نہیں رکھتے ؟ اور یہ خیال رکھتے ہیں کہ بغیر سننے کے ہی اُس نے کہدیا! آپ فرماتے ہیں کہ اُس نے خیال ظاہر کیا! مَیں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلعم کے مافی الضمیر پر اُسکو کیا علم تھا، جبتک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشارۃً یا صراحتاً آپ ظاہر نہ فرماتے ؟

راقم خاکسار غلام احمد عفی عنہ بقلم خود ۲۱ جولائی ۱۸۹۱ء

پھر آپ فرماتے ہیں کہ "مَیں نے اشاعۃ السنہ میں محی الدین ابن عربی کا قول نقل کیا ہوا اور آخر میں مَیں نے لکھدیا کہ ہم الہام کو حجت اور دلیل نہیں جانتے"۔ اس کے جواب میں بادب ملتمس ہوں کہ آپ اگر اس قول کے مخالف ہوتے تو کیوں ناحق اس کا ذکر کرتے؟ غایت کار آپ کے کلام میں تناقض ہوگا کیونکہ اول صاف تسلیم کر آئے ہیں کہ الہام ملہم کے لئے حجت شرعی کے قائم مقام ہوتا ہے۔ علاوہ اسکے آپ تو صاف طور پر مان چکے ہیں بلکہ بحوالہ حدیث بخاری بتصریح بیان کر چکے ہیں کہ الہام محدث کا شیطانی دخل سے منزہ کیا جاتا ہے۔ ماسوا اس کے مَیں اس بات کے لئے آپکو مجبور نہیں کرتا کہ آپ الہام کو حجت سمجھ لیں۔ مگر یہ تو آپ اپنے ریویو میں خود تسلیم کرتے ہیں کہ ملہم کے لئے وہ الہام حجت ہو جاتا ہے۔ سو میرا دعویٰ اسی قدر سے ثابت ہے۔ مَیں بھی آپ کو مجبور کرنا نہیں چاہتا۔

غلام احمد بقلم خود

پرچہ نمبر ۴ ! **مولوی صاحب !** آپنے باایں ہمہ تطویل میرے سوال کا جواب پھر بھی صاف نہ دیا۔[1] اور آپکے اس کلام میں وہی اضطراب و اختلاف پایا جاتا ہی جو پہلے کلام میں موجود ہے آپ شرط صحت کو جو آپکے خیال میں ہی پیشِ نظر رکھ کر صاف صاف الفاظ میں دو حرفی جواب دیں کہ احادیث و کتب حدیث خصوصاً صحیح بخاری و صحیح مسلم بلا تفصیل صحیح و واجب العمل ہیں یا بلا تفصیل غیر صحیح و ناقابلِ عمل یا اسمیں تفصیل ہی بعض احادیث صحیح ہیں اور بعض غیر صحیح و موضوع۔ اسکے ساتھ آپ یہ بھی بتادیں کہ آپ نے اپنی تصانیف میں کسی حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم کو غیر صحیح و موضوع کہا ہے یا نہیں؟

(۲) آپنے جو میرے اس سوال کا کہ سلف میں آپکا کون امام ہی جواب دیا ہی وہ میرے سوال کا جواب نہیں ہی۔ مَیں نے ابن صیّاد کی نسبت وہ سوال نہیں کیا تھا بلکہ آپکے اس اعتقاد کی نسبت سوال کیا تھا کہ صحت احادیث کا معیار قرآن ہی اور جو حدیث قرآن کے موافق نہ ہو وہ موضوع ہی اب بھی آپ فرمائیں

---

[1] نوٹ اے مولوی صاحب! آپکی یہ تان کہیں ٹوٹے گی بھی! ذرا بغض و عناد کے بخار سے دماغ کو خالی فرماویں۔ آپ کو صاف معلوم ہو جائیگا کہ آپ کو صاف اور کافی جواب دیا گیا ہے۔ ایڈیٹر

اگر آپ کا اعتقاد فرقہ نیچریہ ضالہ کے موافق نہیں ہے، کہ صحت احادیث کا معیار توافق قرآن کو ٹھہرانے میں سلف صالحین سے آپ کا کون امام ہے۔

(۳) اجماع کی تعریف میں جو آپ نے کہا ہے یہ کس کتاب اصول وغیرہ میں پایا جاتا ہے تین چار صحابہ کے اجماع کو علمائے اسلام سے کون شخص قرار دیتا ہے۔

(۴) شرح السنہ سے جو حدیث آپنے نقل کی ہے اس میں آنحضرت صلعم کا کوئی قول منقول نہیں ہے بلکہ اس میں ایک صحابی اپنا خیال ظاہر کرتا ہے جو اسکے فہم میں آیا ہے اس قولِ صحابی کو آنحضرتؐ کا قول قرار دینا آنحضرتؐ پر افترا نہیں تو کیا ہے۔

(۵) اشاعۃ السنّۃ میں جو مَیں نے محی الدین ابن عربی کا قول نقل کیا ہے کیا اسکی نسبت مَیں نے آخر ریویو میں بصفحہ ۳۴۵ یہ ظاہر نہیں کیا کہ مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے اس صفحہ میں کیا یہ عبارت درج نہیں ہے؟ یہی جتانا اس امر سوم کے بیان سے ہمارا مقصود تھا اسسے اس امر کا اظہار مقصود نہیں ہے کہ ہم خود بھی اس الہام کو حجت و دلیل جانتے ہیں اور غیر ملہم کو کسی ملہم (غیر نبی) کے الہام پر عمل کرنا واجب سمجھتے ہیں نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ ہم صرف کتاب اللہ و سنت کے پیرو ہیں اور اسی کو حجت و دستور العمل اور عام راہ جانتے ہیں نہ خود الہامی ہیں۔ نہ کسی اور کشفی الہامی غیر نبی کے (متقدمین سے ہو خواہ متاخرین سے) متبع و مقلد ہیں۔ پھر مجھ کو اس قول ابن عربی کا امکانی قائل بنانا مجھ پر افترا نہیں تو کیا ہے؟ آیاتِ قرآن جو آپ نے نقل کی ہیں انکو امر متنازعہ فیہ سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ مَیں اس امر کو اپنے تفصیلی جواب میں بیان کرونگا۔ جب سوالات مذکورہ کا جواب پاؤں گا۔ ابو سعید فقط۔

مرزا صاحب! میری طرف سے مکرر گزارش یہ ہے کہ ائمہ حدیث جس طور سے صحیح اور غیر صحیح حدیثوں میں فرق کرتے ہیں اور جو قاعدہ تنقید احادیث انہوں نے بنایا ہوا ہے وہ تو ہر ایک پر ظاہر ہے کہ وہ راویوں کے حالات پر نظر ڈالکر باعتبار انکے صدق یا کذب اور سلامت فہم یا عدم سلامت اور باعتبار ان کے قوت حافظہ یا عدم حافظہ وغیرہ امور کے جنکا ذکر اس جگہ موجب تطویل ہے کسی حدیث کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کی نسبت حکم دیتے ہیں مگر انکا کسی حدیث کی نسبت یہ کہنا کہ یہ صحیح ہے اسکے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ حدیث من کل الوجوہ مرتبہ ثبوت کامل تک پہنچ گئی ہے جس میں امکان غلطی کا نہیں بلکہ انکا مطلب صحیح کہنے سے صرف اس قدر ہوتا ہے کہ وہ بخیال ان کے ان آفات اور عیوب سے مبرا ہے جو غیر صحیح حدیثوں میں پائی

جاتی ہیں اور ممکن ہے کہ ایک حدیث باوجود صحیح ہونے کے پھر بھی واقعی اور حقیقی طور پر صحیح نہ ہو غرض **علمِ حدیث ایک ظنّی علم ہے جو مفید ظن ہے**۔ اگر کوئی اس جگہ یہ اعتراض کرے کہ اگر احادیث صرف مرتبہ ظن تک محدود ہیں تو پھر اس سے لازم آتا ہے کہ صوم وصلوٰۃ و حج و زکوٰۃ وغیرہ اعمال جو محض حدیثوں کے ذریعہ سے مفصل طور پر دریافت کئے گئے ہیں وہ سب ظنی ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بڑے دھوکے کی بات ہے کہ ایسا سمجھا جائے کہ یہ تمام اعمال محض روایتی طور پر دریافت کئے گئے ہیں ولبس۔ بلکہ انکے یقینی ہونے کا یہ موجب ہے کہ سلسلہ تعامل ساتھ ساتھ چلا آیا ہے۔ اگر فرض کر لیں کہ یہ فن حدیث دنیا میں پیدا نہ ہوتا پھر بھی یہ سب اعمال فرائض دین سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے یقینی طور پر معلوم ہوتے۔ خیال کرنا چاہیئے کہ جس زمانہ تک حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں کیا اسوقت لوگ حج نہیں کرتے تھے؟ یا نماز نہیں پڑھتے تھے؟ یا زکوٰۃ نہیں دیتے تھے؟ ہاں اگر یہ صورت پیش آتی کہ لوگ ان تمام احکام و اعمال کو یک دفعہ چھوڑ بیٹھتے اور صرف روایتوں کے ذریعہ سے وہ باتیں جمع کی جاتیں تو بیشک یہ درجہ یقینی و ثبوت تام جو اب ان میں پایا جاتا ہے ہرگز نہ ہوتا۔ سو یہ ایک دھوکہ ہے کہ ایسا خیال کر لیا جائے کہ احادیث کے ذریعہ سے صوم وصلوٰۃ وغیرہ کی تفاصیل معلوم ہوئی ہیں بلکہ وہ اس سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے معلوم ہوتی چلی آئی ہیں اور درحقیقت اس سلسلہ کو فن حدیث سے کچھ تعلق نہیں وہ تو طبعی طور پر ہر ایک مذہب کو لازم ہوتا ہے اور میرا مذہب احادیث بخاری اور مسلم کی نسبت یہ نہیں ہے کہ میں خواہ نخواہ انکی کسی حدیث کو موضوع قرار دوں۔ بلکہ میں ہر ایک حدیث کو قرآن کریم پر پیش کرنا ضرور سمجھتا ہوں۔ اگر قرآن کریم کی کوئی آیت صاف اور کھلے کھلے طور پر انکی مخالف نہ ہو تو میں بسر وچشم اسکو قبول کرونگا۔ بلکہ اگر مخالف بھی ہو تو کوشش کرونگا کہ وہ مخالفت اُٹھ جائے لیکن اگر کسی طور سے مخالفت دور نہ ہو سکے تو پھر البتہ میں کہونگا کہ اس حدیث کے بیان کرنے میں تغیر الفاظ یا پیرایہ بیان میں کچھ فرق آگیا ہوگا یا جو کچھ کسی صحابی نے بیان فرمایا ہوگا اسکے تمام الفاظ تابعی وغیرہ کے حافظہ میں محفوظ نہیں رہے ہونگے۔ مگر اب تک تو مجھے ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ بخاری یا مسلم کی کوئی حدیث صریح مخالف قرآن مجھ کو ملی ہو جسکی میں کسی وجہ سے تطبیق نہ کر سکا بلکہ جو کچھ بعض احادیث میں کچھ تعارض پایا جاتا ہے خدا تعالیٰ اس تعارض کے دور کرنے کیلئے بھی میری مدد کرتا ہے۔ ہاں میں دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں تعارض کو دور کر سکتا ہوں کیونکہ جو حقیقی اور واقعی تعارض ہوگا اسکو میں کیونکر دور کر سکتا ہوں یا کوئی اور شخص کیونکر دور کر سکتا ہے۔

اور آپ نے یہ جو مجھ سے دریافت فرمایا ہے کہ "جو تعارض ابن صیاد والی حدیث اور گرجا والے دجال والی حدیث میں پایا جاتا ہے اس تعارض کے ماننے میں کون تمہارے ساتھ ہے" اس سوال سے میں متعجب ہوں کہ جس حالت میں مدلل اور موجہ طور پر میں تعارض کو ثابت کر چکا ہوں۔ تو پھر میرے لئے ضرورت کیا ہے کہ میں اپنے لئے اس بصیرت خداداد میں کسی کی سلف میں سے تقلید ضروری سمجھوں۔ اور آپ بھی تو ریویو براہین احمدیہ کے صفحہ ۲۱۰ میں اس بات کو قبول کر چکے ہیں کہ بلا تقلید غیرے استدلال منع نہیں۔ چنانچہ آپ اس صفحہ میں فرماتے ہیں کہ "ہمارے معاصرین جو باوجود ترکِ تقلید تقلید کے خوگر ہیں بلا واسطہ شائقین کسی آیت یا حدیث سے تمسک نہیں کرتے اور جو بلا واسطہ سابقین کسی آیت یا حدیث سے استدلال کریں اسکو تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔"

اور آپکا یہ فرمانا کہ "میرے کس لفظ سے یہ سمجھ لیا ہے کہ میں احادیث کا مرتبہ صحت قرآن کے مرتبہ صحت سے برابر سمجھتا ہوں۔" یہ مجھے آپکے فحوائے کلام سے خیال گذرا تھا اگر آپکا یہ منشاء نہیں ہے اور آپ میری طرح احادیث کا مرتبہ صحت قرآن کریم کے مرتبۂ صحت سے متنزل سمجھتے ہیں اور قرآن کریم کو امام قرار دیتے ہیں اور محک صحت احادیث ٹھہراتے ہیں تو پھر میری غلطی ہے کہ میں نے ایسا خیال کیا۔ لیکن اگر آپ درحقیقت قرآن کریم کا اعلیٰ مرتبہ مانتے ہیں اور اسکو واقعی طور محک صحت احادیث قرار دیتے ہیں۔ اور اسکی مخالفت کی حالت میں کسی حدیث کو قبول نہیں کرتے تو پھر تو آپ مجھ سے متفق الرائے ہیں۔ پھر اس لمبے چوڑے تکرار سے فائدہ کیا ہے!

اور یہ جو آپنے مجھ سے دریافت فرمایا ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے کیا مطلب ہے"۔ تو میں عرض کرتا ہوں کہ اس جگہ اجتہاد سے مراد اس عاجز کی **اجتہاد فی الوحی** ہے۔ کیونکہ یہ تو ثابت ہے اور آپ کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت صلعم وحی مجمل میں اجتہادی طور پہ دخل دے دیا کرتے تھے اور بسا اوقات وہ تفسیر اور تشریح جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے صحیح اور سچی ہوتی تھی۔ اور بعض اوقات غلطی بھی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اس کی نظیریں بخاری اور مسلم میں بہت ہیں اور حدیث فذھب وھلے بھی اس کی شاہد ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جماعت کثیر کے ساتھ مدینہ سے مکہ معظمہ کی طرف بعزم طواف کعبہ سفر کرنا یہ بھی ایک اجتہادی غلطی تھی۔ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ پھر آپ مجھ سے دریافت فرماتے ہیں۔ کہ

ابن صیاد کے دجال معہود ہونے پر صحابہ کا کہاں اجماع تھا۔ اس کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ یہ اجماع مسلم کی حدیث سے جو ابی سعید الخدری سے بیان کی ہے ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں ابن صیاد کہتا ہے کہ لوگ کیوں مجھے دجال معہود کہتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس وقت کہنے والے صرف صحابہ تھے اور کون لوگ تھے؟ جو اسکو دجال کہتے تھے۔ یہ حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ صحابہ کا اس بات پر اجماع تھا کہ ابن صیاد ہی دجال معہود ہے۔ صحابہ کی کوئی ایسی بڑی جماعت نہ تھی جن کے اجماع کا حال معلوم ہونا محالات میں سے ہوتا بلکہ انکا اجماع بباعث وحدت مجموعی انکی کے بہت جلد معلوم ہو جاتا تھا۔ پھر تین صحابیوں کا قسم کھانا کہ حقیقت میں ابن صیاد ہی دجال معہود ہے صاف اجماع پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ان کے مخالف منقول نہیں!

پھر بعد اسکے آپ دریافت فرماتے ہیں کہ اجماع کی حقیقت کیا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سوال سے آپ کا مطلب کیا ہے؟ ایک جماعت کا ایک بات کو بالاتفاق مان لینا بھی اجماع کی حقیقت ہے جو صحابہ میں بآسانی محقق ہو سکتی تھی اگرچہ دوسروں میں نہیں۔

اور یہ جو آپنے دریافت فرمایا ہے کہ کہاں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم ابن صیاد کے دجال ہونے پر ڈرتے تھے"۔ سو واضح ہو کہ وہ حدیث مشکوٰۃ میں بحوالہ شرح السنہ موجود ہے۔ اور اصل عبارت حدیث کی یہ ہے۔ فَلَمْ یَزَلْ رَسُوْلُ اللہِ صلعم مُشْفِقًا اَنَّہٗ ھُوَ الدَّجَّالُ۔

اور آپنے جو دریافت فرمایا تھا کہ بعض اکابر کا قول اشاعت السنہ میں کہاں ہے جس میں یہ لکھا ہو کہ بعض موضوع حدیثیں کشف کے ذریعہ سے صحیح ہو سکتی ہیں اور صحیح موضوع ٹھہر سکتی ہیں۔ سو وہ قول ریویو براہین احمدیہ کے صفحہ ۳۴۴ میں موجود ہے جس میں آپ نے بتائید اپنے خیال کے شیخ ابن عربی صاحب کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ "ہم اس طریق سے آنحضرت صلعم سے احادیث کی تصحیح کرا لیتے ہیں۔ بہتیری حدیثیں ایسی ہیں جو اس فن کے لوگوں کے نزدیک صحیح ہیں اور وہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں اور بہتیری حدیثیں ان کے نزدیک موضوع ہیں اور آنحضرت صلعم کے قول سے بذریعہ کشف صحیح ہو جاتی ہیں"۔

اب اگرچہ میں اس بات پر زور نہیں دیتا کہ اجمالی طور پر آں مکرم کا یعنی آپ کا یہی عقیدہ ہے لیکن میں آپ کے فحوائے بیان سے سمجھتا ہوں بلکہ ہر یک تدبر کرنے والا سمجھ سکتا ہے کہ امکانی طور پر ضرور آپ کا یہی عقیدہ ہے کیونکہ اگر یہ امر بکلی آپ کے عقیدہ سے باہر تھا تو پھر اس کا ذکر کرنا بطور لغو ہوتا ہے جو آپکی شان سے بعید ہے۔

انسان جس کسی کا قول یا مذہب اپنے ریویو میں بطور نقل کے ذکر کرتا ہے وہ یا اپنے مویدات دعویٰ اور رائے کی مدد میں لاتا ہے یا اسکی رد کی غرض سے۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ آپ اس قول کو اپنے مویدات دعویٰ کے ضمن میں لائے ہیں۔ آپ نے بجز اسکے اسی دعویٰ کی تائید کے لئے ایک بخاری کی حدیث بھی لکھی ہے کہ محدث کا الہام دخل شیطانی سے محفوظ کیا جاتا ہے بلکہ وہاں تو آپ نے کھلے طور ظاہر کر دیا ہے کہ آپ اسی قول کے حامی ہیں گو ایمانی طور پر نہیں مگر امکانی طور پر ضرور حامی ہیں اور میرے لئے صرف اسی قدر کافی ہے کیونکہ میرا مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ حدیثیں اگرچہ صحیح بھی ہوں لیکن انکی صحت کا مرتبہ ظن یا ظن غالب سے زیادہ نہیں۔ سو ان حدیثوں کی حقیقی صحت کا پرکھنے والا قرآن شریف ہے۔ اور قرآن شریف جس قدر اپنے محامد اور اپنے کمالات بیان کرتا ہے ان پر نظر غور ڈالنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے تئیں اپنے ماسوا کی تصحیح کے لئے محک ٹھہرایا ہے اور اپنی ہدایتوں کو کامل اور اعلیٰ درجہ کی ہدایتیں بیان فرماتا ہے۔ جیسا کہ وہ اپنی شان میں فرماتا ہے۔ فیھا کتبٌ قیّمۃٌ۔ فصّلناہ علیٰ علمٍ۔ یَھدی بہ اللّٰہُ مَن اتَّبعَ رضوانہ سبل السّلام و یُخرِجُھُمْ من الظلمٰتِ الی النورِ ویعلّمکُمْ مالمتکونوا تعلمون۔ قُلْ ان ھدی اللّٰہِ ھو الھدیٰ۔ فمن اتبع ھُدَایَ فلا یضل ولا یشقی۔ لا یأْتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ۔ فمن یکفر بالطاغوت و یؤمن باللّٰہ فقد استمسك بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لھا۔ ان ھٰذا القرآن یھدی للّتی ھی اقوم إن فی ھٰذا لبلاغًا لقوم عابدین۔ و انہ لحق الیقین۔ حکمۃٌ بالغۃٌ۔ تبیانًا لکل شیءٍ۔ روحا من امرنا۔ نور علیٰ نور۔ انزل الکتٰب بالحق و المیزان۔ ھدًی للنّاس و بیّنٰتٍ من الھدیٰ و الفرقان۔ انہ لقرآن کریم۔ فی کتٰب مکنونٍ فصلناہ علیٰ علمٍ۔ انہ لقول فصل۔ لاریب فیہ۔ وما انزلنا علیك الکتٰب الّا لتبیّن لھم الذی اختلفوا فیہ وھدی ورحمۃ لقومٍ یؤمنون۔ قل نزّلہ روح القدس من ربك بالحق لیثبت الذین اٰمنوا و ھدًی وّ بشریٰ للمسلمین۔ ھٰذا بیانٌ للنّاس وموعظۃ للمتقین۔ بالحق انزلناہ و بالحق نزل۔ قل ھو للذین اٰمنوا ھدی وشفاء۔ ما کان حدیثًا یفتری۔ اب ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان آیات میں کئی قسم کی خصوصیتیں اور حقیقتیں قرآن کریم کی بیان فرمائی ہیں۔ از انجملہ ایک یہ کہ وہ

تمام صداقتوں پر مشتمل ہے۔ (۲) وہ مفصل کتاب ہے (۳) وہ ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی رضامندی کے اور دارالسلام کے طالب ہیں (۴) وہ ظلمات سے نور کیطرف نکالتا ہے اور نامعلوم باتیں سکھاتا ہے (۵) ہدایت اسی کی ہدایت ہے، (۶) باطل اسکی طرف کسی طور سے راہ نہیں پا سکتا (۷) جس نے اس سے پنجہ مارا اس نے عروۂ وثقیٰ سے پنجہ مارا (۸) وہ سب سے زیادہ سیدھی راہ بتلاتا ہے (۹) وہ حق الیقین ہے اسمیں ظن اور شک کی جگہ نہیں (۱۰) وہ حکمت بالغہ ہے اسمیں ہر یک چیز کا بیان ہے (۱۱) وہ حق ہے اور میزان حق ہے یعنی آپ بھی سچا ہے اور سچ کی شناخت کیلئے محک بھی ہے (۱۲) وہ لوگوں کیلئے ہدایت ہے اور ہدایتوں کی اسمیں تفصیل ہے اور حق اور باطل میں فرق کرتا ہے (۱۳) وہ قرآن کریم ہے کتاب مکنون میں ہے جسکے ایک معنے یہ ہیں کہ صحیفہ فطرت میں اسکی نقلیں منقوش ہیں یعنی اس کا یقین فطری ہے جیسا کہ فرمایا ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۱۴) وہ قول فصل ہے اسمیں کچھ بھی شک نہیں (۱۵) وہ اختلافات کے دور کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے (۱۶) وہ ایمانداروں کیلئے ہدایت اور شفا ہے۔ اب فرمایئے کہ یہ عظمتیں اور خوبیاں کہ جو قرآن کریم کی نسبت بیان فرمائی گئیں احادیث کی نسبت ایسی تعریفوں کا کہاں ذکر ہے؟ پس میرا مذہب "فرقہ ضالہ نیچریہ" کی طرح یہ نہیں ہے کہ میں عقل کو مقدم رکھکر قال اللہ اور قال الرسول پر کچھ نکتہ چینی کروں۔ ایسے نکتہ چینی کرنیوالوں کو ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں بلکہ میں جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہم کو پہنچایا ہے اس سب پر ایمان لاتا ہوں صرف عاجزی اور انکسار کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ قرآن کریم ہر یک وجہ سے احادیث پر مقدم ہے اور احادیث کی صحت و عدم صحت پر کھنے کیلئے وہ محک ہے اور مجھکو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی اشاعت کیلئے مامور کیا ہے تا میں جو ٹھیک ٹھیک منشاء قرآن کریم کا ہے لوگوں پر ظاہر کروں۔ اور اگر اس خدمتگذاری میں علماء وقت کا میرے پر اعتراض ہو اور وہ مجھکو فرقہ ضالہ نیچریہ کی طرف منسوب کریں تو میں ان پر کچھ افسوس نہیں کرتا۔ بلکہ خدا تعالیٰ سے چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ وہ بصیرت انہیں عطا فرماوے جو مجھے عطا فرمائی ہے نیچریوں کا اول دشمن میں ہی ہوں اور ضرور تھا کہ علماء میری مخالفت کرتے کیونکہ بعض احادیث کا یہ منشا پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود جب آئیگا تو علما اسکی مخالفت کرینگے اسی کی طرف مولوی صدیق حسن صاحب مرحوم نے آثار القیامہ میں اشارہ کیا ہے اور حضرت مجدد صاحب سرہندی نے بھی اپنی کتاب کے صفحہ (۱۰۷) میں لکھا ہے کہ "مسیح موعود جب آئیگا تو علماء وقت اسکو اہل الرائے کہینگے یعنی یہ خیال کرینگے کہ یہ حدیثوں کو چھوڑتا ہے اور صرف قرآن کا پابند ہے اور اسکی مخالفت پر آمادہ ہو جائینگے"۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

غلام احمد قادیانی ۱۸ر جولائی ۱۸۹۱ء

پرچہ نمبر ۵ ! مولوی صاحب ! میں افسوس کرتا ہوں کہ آپنے پھر بھی میرے سوال کا جواب صاف[1] الفاظ میں نہیں دیا آپنے بیان کیا ہو کہ میں آپسے ان کتب کی صحت تسلیم کرانا چاہتا ہوں اور آپ اس تسلیم کو صحیح نہیں سمجھتے بلکہ اسکو ایک غلط اصول فرضی و خیالی اجماع پر مبنی قرار دیتے ہیں پھر صاف الفاظ میں کیوں نہیں کہتے کہ صحیحین کے جملہ احادیث بلا وقفہ و نظر واجب التسلیم اور صحیح نہیں ہیں بلکہ انمیں موضوع یا غیر صحیح احادیث موجود ہیں یا انکے موجود ہونیکا احتمال ہی جبتک آپ ایسے صریح الفاظ میں اس مطلب کو ادا نہ کرینگے اس سوال کے جواب سے سبکدوش نہ ہونگے خواہ برسوں گذر جائیں آپ حدیث ان من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ کو پیش نظر رکھکر خارج از سوال باتوں سے تعرض کرنا چھوڑ دیں اور دو حرفی جواب دیں کہ صحیحین کی حدیثیں سب کی سب صحیح ہیں یا موضوع ہیں یا مختلط ہیں۔

(۲) آپ فرماتے ہیں میں نے اپنی کتاب میں کسی حدیث صحیح بخاری یا مسلم کو موضوع نہیں کہا (لفظ موضوع آپکے کلام میں غیر صحیح کے معنوں میں استعمال ہوا ہے) اور یہ امر کمال تعجب کا موجب ہے کہ آپ جیسے مدعیان الہام ایسی بات خلاف واقعہ کہیں۔ آپنے رسالہ ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۲۲۰ میں دمشقی حدیث کی نسبت کہا ہے "یہ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم صاحب نے لکھی ہے جسکو ضعیف سمجھکر رئیس المحدثین امام محمد اسمٰعیل بخاری نے چھوڑ دیا ہے"

اب انصاف سے فرماویں کہ اس حدیث صحیح مسلم کو آپنے ضعیف قرار دیا ہے یا نہیں۔ اور اگر آپ یہ عذر کریں کہ میں صرف ناقل ہوں اسکو ضعیف کہنے والے امام بخاری ہیں تو آپ تصحیح نقل کریں اور صاف فرماویں کہ امام بخاری نے اسکو فلاں کتاب میں ضعیف قرار دیا ہے یا کسی اور امام محدث سے نقل کریں کہ انہوں نے امام بخاری سے اس حدیث کی تضعیف نقل کی ہے ورنہ آپ اس الزام سے بری نہ ہوسکینگے کہ آپنے صحیح مسلم کی حدیث کو ضعیف قرار دیا اور پھر اس اپنی تحریر میں اس سے انکار کیا۔ ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۲۲۶ میں آپ فرماتے ہیں "اب بڑے مشکلات یہ در پیش آتے ہیں کہ اگر ہم بخاری اور مسلم کی ان حدیثوں کو صحیح سمجھیں جو دجال کو آخری زمانہ میں اتار رہی ہیں تو یہ حدیثیں موضوع ٹھہرتی ہیں۔ اور اگر ان حدیثوں کو صحیح قرار دیں تو پھر اس کا موضوع ہونا ماننا پڑتا ہے اور اگر یہ متعارض و متناقض حدیثیں صحیحین میں نہ ہوتیں صرف دوسری صحیحوں میں ہوتیں تو شاید ہم ان دونوں کتابوں کی زیادہ تر پاس خاطر کرکے ان دوسری حدیثوں کو موضوع قرار دیتے مگر اب مشکل تو یہ آپڑی کہ ان ہی دونوں کتابوں میں یہ دونوں قسم کی حدیثیں موجود ہیں۔

نوٹ [1] اللہ اللہ ! چشم باز و گوش باز و ایں ذکا + خیرہ ام در چشم بندیٔ خدا۔ آپکا یہ افسوس ختم ہونے میں نہیں آتا اور شاید موت (یعنی اختتام مباحثہ) تک اس افسوس سے نجات نصیب نہ ہو۔ اچھا دیکھیں۔ ایڈیٹر

اب جب ہم ان دونوں قسم کی حدیثوں پر نظر ڈالکر دیکھتے ہیں تو آپ حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ کس حدیث کو صحیح سمجھیں۔ اور کس کو غیر صحیح۔ تب ہم کو عقل خدا داد یہ طریق فیصلہ کا بتاتی ہے کہ جن احادیث پر عقل اور شرع کا کچھ اعتراض نہیں انہیں صحیح سمجھنا چاہیئے" اور ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۲۲۴ میں آپ نے مسلم کی اس حدیث کو جس میں یہ بیان ہے کہ دجّال کی پیشانی پر ک ف ر لکھا ہوگا جو بخاری میں بصفحہ ۱۰۵۶ مروی ہے یہ کہکر اڑا دیا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی اس حدیث کے مخالف ہے جس میں یہ وارد ہے کہ یہ دجّال مشرف باسلام ہو چکا تھا۔ ایسا ہی آپنے صحیحین کے ان احادیث کو اُڑایا ہے جن میں دجال کے ان خوارق کا بیان ہے کہ اسکے ساتھ بہشت اور دوزخ ہونگے اور اسکے کہنے سے زمین شور سر سبز ہو جائیگی وغیرہ وغیرہ۔ پھر آپکا اس مقام میں یہ کہنا کہ مَیں نے صحیحین کی کسی حدیث کو موضوع یا غیر صحیح قرار نہیں دیا اور ان احادیث کے صحیح معنے بیان کرنے میں خدا تعالیٰ میری مدد کرتا ہے خلاف واقعہ نہیں تو کیا ہے؟

آپ صحیحین کی احادیث کو موضوع جانتے ہیں اور ساکت الاعتبار سمجھتے ہیں۔ پھر اس اعتقاد کو طولانی تقریروں اور ملمع سازیوں سے چھپاتے ہیں اور یہ خیال نہیں فرماتے کہ جن باتوں کو آپ چھاپ چکے ہیں، وہ کب چھپتی ہیں۔

(۳) آپ لکھتے ہیں کہ قرآن کو حدیث کا معیار صحت ٹھہرانے میں امام کے نشان دہی کا بار ثبوت آپکے ذمہ نہیں ہے اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر ایک مسلمان تصحیح احادیث کا معیار قرآن کو سمجھتا ہے مَیں آپکے اس دعویٰ کا بھی منکر ہوں اور یہ کہہ سکتا ہوں کہ کوئی مسلمان جن کے اقوال سے استناد کیا جاتا ہے اس بات کا قائل نہیں۔ آپ کم سے کم ایک مسلمان کا علماء سلف سے نام لیں جو آپکے خیال کا شریک ہو۔ اور اگر باوجود ان دعاوی کے آپ پر بارِ ثبوت نہیں ہے تو آپ یہ امر کسی منصف سے (مسلمان ہو یا غیر مذہب) کہلا دیں۔ اس باب میں جو آیات آپ نے نقل کی ہیں ان کو آپ کے دعاوی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسکی تفصیل جواب تفصیلی میں ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۴) اجماع کے باب میں میرے کسی سوال کا آپنے جواب نہیں دیا براہ مہربانی میرے سوال پر نظر ثانی کریں اور ان باتوں کا جواب دیں کہ اجماع کی تعریف جو آپنے لکھّی ہے کس کتاب میں ہے۔ اور بعض صحابہ کے اتفاق کو کون شخص اجماع سمجھتا ہے سکوت کل کا جو آپنے دعویٰ کیا ہے یہ بھی محتاج نقل و ثبوت ہے آپ بہ نقل صحیح ثابت کریں کہ حضرت عمر وغیرہ نے ابن صیاد کو دجّال کہا تو اسوقت جملہ اصحاب یا فلاں فلاں موجود تھے اور انھوں نے

اس پر سکوت کیا۔ یا وہ قول جس صحابی کو پہنچا اس نے انکار نہ کیا یہ بات صرف غالباً اور ہو نگی" کے الفاظ سے ثابت نہیں ہو سکتی ایسے دعاوی عظیمہ میں ائمہ نقل سے نقل بکار ہے نہ صرف تجویز۔ عقل اجماع کے باب میں جو کچھ ائمہ سے منقول ہے وہ آپ کی تحریر میں موجود ہے پھر تعجب ہے کہ اس پر آپ کی توجہ نہ ہوئی اور صرف اٹکل سے آپ نے کار بر آری کی۔

(۵) مضمون حدیث شرح السنہ کے متعلق آپنے بڑے زور سے دعویٰ کیا تھا کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ میں ابن صیاد کے دجّال ہونے سے خوف کرتا ہوں اور ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۲۲۴ میں آپنے لکھا ہے کہ آنحضرت نے حضرت عمرؓ کو فرمایا ہے کہ ہمیں "اسکے حال میں بھی اشتباہ ہے یعنی اسکے دجّال ہونے کا ہم کو خوف ہے۔ ان اقوال کا آپ نے آنحضرت صلعم کو یقیناً قائل قرار دیا ہے۔ اب آپ یہ کہتے ہیں کہ صحابی نے آنحضرت سے سُنا ہوگا تب ہی آنحضرت کی طرف اس امر کو منسوب کیا کہ آپ ابن صیاد کے دجّال ہونے سے ڈرتے تھے۔ اب انصاف کو اور صدق و دیانت کو پیشِ نظر رکھکر فرما دیں کہ احتمال موجبِ یقین ہو سکتا ہے؟ کیا یہ امکان نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم کے ان معاملات سے جو ابنِ صیاد کی نسبت بارہا وقوع میں آئے۔ جیسے اسکا امتحان کرنا یا چھُپ کر اس کے حالات معلوم کرنا وغیرہ وغیرہ جن کا صحیحین میں ذکر ہے اس صحابی کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ آنحضرت صلعم اس کو دجّال سمجھتے تھے اس امکان و احتمال کے ساتھ جو حسن ظنی بحق صحابی پر مبنی ہے کیا یہ یقین ہو سکتا ہے؟ کہ اس صحابی نے آنحضرت کو وہ باتیں کہتے ہوئے سُنا جو آپنے برخلاف واقع آنحضرت کی طرف منسوب کیں اور بلا حصول یقین آنحضرت صلعم کو ان اقوال کا قائل قرار دینا اور بلا کھٹکا یہ کہدینا کہ آپ ایسا فرماتے تھے جائز ہے؟ اور مسلمانانِ سلف سے یہ امر وقوع میں آیا ہے آپ کم سے کم ایک مسلمان کا نام بتلاویں جس سے یہ جرأت ہوئی ہو۔

(۶) آپ لکھتے ہیں کہ قول ابن عربی کے آپ مخالف ہوتے تو کیوں ناحق اسکا ذکر کرتے اور اسکے ذکر سے آپکے کلام میں تناقض پیدا ہوتا ہے آپکا یہ مفہوم میری عبارت کے صریح منطوق کے جو مَیں نے نقل کی ہے برخلاف ہے لہذا لائقِ لحاظ و التفات نہیں ہے اور وہ آپ کو الزام افترا سے بری نہیں کر سکتا اور نہ میری وہ تصریحات جو مَیں نے محدّث کی نسبت کی ہیں آپکو اس الزام سے بری کر سکتے ہیں میری کسی تصریح یا کلام میں قول ابن عربی کی تصدیق و تائید پائی نہیں جاتی اور میرا صریح اظہار کہ میں الہام غیر نبی کو حجت نہیں سمجھتا کتاب و سنت کا پیرو ہوں نہ کسی الہامی کشفی کا مقلّد صاف شاہد ہے کہ آپنے مجھپر افترا کیا ہے۔ رہا الزام تعارض و اظہار خلاف عقیدت سو اسکا جواب اسی صفحہ اشاعت السنہ میں موجود ہے کہ مَیں نے ان اقوال ابن عربی وغیرہ کو اس غرض سے نقل کیا ہے کہ الہام کو حجّت ماننے میں صاحب براہین منفرد نہیں ہے اور یہ مسئلہ ایسا نیا اور انوکھا نہیں جس کا کوئی قائل نہ ہو جس سے

صاف ثابت ہے کہ میں نے ان اقوال کو نقل کرنے سے صاحب براہین کو تفرد سے بچانا چاہا تھا نہ یہ جتانا کہ میں بھی ایسے الہاموں کو لائق سند سمجھتا ہوں[1]۔

آپ کی تحریرات میں بہت سے مطالب زائد اور خارج از بحث ہوتے ہیں جن سے میں عمداً انعارض نہیں کرتا ان سے تعرض اس تفصیلی جواب میں کرونگا جو بعد طے ہونے امور مستفسرہ کے قلم میں لاؤنگا۔ اب میں آپ کو پھر اپنے سوالات سابقہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ آپ براہ مہربانی بنظر حفظ اوقات فریقین میرے سوالات کا صاف اور مختصر الفاظ میں جواب دیں اور زاید باتوں کی طرف توجہ نہ کریں۔ میں بنظر آپ کے رفع تکلیف کے پھر اپنے سوال کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔

خلاصہ سوال اوّل یہ کہ آپ صراحت کے ساتھ کہیں کہ جملہ احادیث صحیحین صحیح اور واجب العمل ہیں یا جملہ غیر صحیح اور موضوع یا مختلط اور ابتک آپنے کسی حدیث صحیحین کو موضوع یا ضعیف نہیں کہا۔

دوم قرآن کو صحت احادیث کا معیار ٹھہرانے میں جملہ مسلمان آپ کے ساتھ ہیں یا کوئی امام ائمہ سلف سے۔

سوم اجماع کی تعریف اور یہ کہ چند اصحاب کا اتفاق شرعاً اجماع کہلاتا ہے اور حضرت عمر کے ابن صیاد کو دجّال کہنے کے وقت جملہ اصحاب موجود تھے یا فلاں فلاں اور اس پر انہوں نے سکوت کیا اور یہ سکوت فلاں فلاں ائمہ حدیث نے نقل کیا۔

چہارم آنحضرت صلعم کے اصحاب آنحضرت کی طرف کوئی حکم یا خیال منسوب نہ کرتے جبتک کہ وہ آپسے سُن نہ لیتے اور آنحضرت صلعم کے وقائع اور قضایا سے کوئی امر استنباط کر کے آنحضرت کی طرف منسوب نہ کرتے جیسے بعض صحابہ سے منقول ہے نہیں یا منفعت للتجار* یا یہ کہ صرف خیال و استنباط سے آنحضرت صلعم کی نسبت فرما دیتے کہ آپ نے ایسا ارشاد کیا ہے۔

پنجم میرے اس منطوق کے ہوتے وہ مفہوم قابل اعتبار ہے جو آپکے خیال میں ہے و بناءً علیہ میں ابن عربی کا مصداق ہوں اور آپ اس دعوے میں صادق ہیں۔

راقم ابو سعید محمد حسین ۲۱ر جولائی سنہ ۹۱ء

نوٹ [1] اہل بصیر ناظرین یہاں غور کرنے کے لئے تھوڑی دیر توقف کریں۔ اگر حضرت مرزا صاحب اپنے دعویٰ میں متفرد نہیں ہیں تو انپر الزام ہی کیا آ سکتا ہے بہرصورت اس میں تو کلام نہیں کہ مولوی صاحب جہد بلیغ سے حضرت مسیح موعود کو تفرد کے الزام سے بچا چکے ہیں وھذا ھو المقصود فافھم۔ ایڈیٹر۔

* اصل میں اسی طرح لکھا تھا ہم اسکی تصحیح کے مجاز نہیں - ایڈیٹر۔

مرزا صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——————— نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مولوی صاحب۔ آپ پھر سہ کرر شکوہ کے طور پر تحریر فرماتے ہیں کہ میرے سوال کا اب بھی جواب صاف الفاظ میں نہیں دیا اور آپ فرماتے ہیں کہ "صاف الفاظ میں کہنا چاہیئے کہ صحیحین کے جملہ احادیث بلا وقفہ و نظر واجب التسلیم اور صحیح نہیں بلکہ ان میں موضوع یا غیر صحیح احادیث موجود ہیں یا انکے موجود ہونے کا احتمال ہے اور آپ اس بات کا جواب مجھ سے مانگتے ہیں کہ صحیحین کی حدیثیں سب کی سب صحیح ہیں یا موضوع ہیں یا مختلط ہیں۔ فقط

اما الجواب پس واضح ہو کہ احادیث کے دو حصّہ ہیں ایک وہ حصّہ جو سلسلہ تعامل کی پناہ میں کامل طور پر آگیا ہے یعنی وہ حدیثیں جنکو تعامل کے محکم اور قوی اور لاریب سلسلہ نے قوت دی ہے اور مرتبہ یقین تک پہنچا دیا ہے۔ جس میں تمام ضروریات دین اور عبادات اور عقود اور معاملات اور احکام شرع متین داخل ہیں۔ سو ایسی حدیثیں تو بلاشبہ یقین اور کامل ثبوت کی حد تک پہنچ گئے ہیں۔ اور جو کچھ ان حدیثوں کو قوت حاصل ہے وہ قوت فنِ حدیث کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوئی اور نہ وہ احادیث منقولہ کی ذاتی قوت ہے اور نہ وہ راویوں کے وثاقت اور اعتبار کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے بلکہ وہ قوت ببرکت و طفیل سلسلہ تعامل پیدا ہوئی ہے۔ سو میں ایسی حدیثوں کو جہانتک انکو سلسلہ تعامل سے قوت ملی ہے ایک مرتبہ یقین تک تسلیم کرتا ہوں لیکن دوسرا حصّہ حدیثوں کا جنکو سلسلہ تعامل سے کچھ تعلق اور رشتہ نہیں ہے اور صرف راویوں کے سہارے سے اور ان کی راست گوئی کے اعتبار پر قبول کی گئی ہیں ان کو میں مرتبہ ظن سے بڑھکر خیال نہیں کرتا اور غایت کار مفید ظن ہو سکتی ہیں کیونکہ جس طریق سے وہ حاصل کی گئی ہیں۔ وہ یقینی اور قطعی الثبوت طریق نہیں ہے بلکہ بہت سی آویزش کی جگہ ہے۔ وجہ یہ کہ ان حدیثوں کا فی الواقع صحیح اور راست ہونا تمام راویوں کی صداقت اور نیک چلنی اور سلامت فہم اور سلامت حافظہ اور تقویٰ و طہارت وغیرہ شرائط پر موقوف ہے۔ اور ان تمام امور کا کماحقہ اطمینان کے موافق فیصلہ ہونا اور کامل درجہ کے ثبوت پر جو حکم رویت کا رکھتا ہے پہنچنا حکم محال کا رکھتا ہے اور کسی کو طاقت نہیں کہ ایسی حدیثوں کی نسبت ایسا ثبوت کامل پیش کر سکے۔ کیا آپ ایسی کسی حدیث کی نسبت حلفاً بیان کر سکتے ہیں کہ اسکے مضمون کی صحت کی نسبت کامل اطمینان اور سکینت مجھکو حاصل ہے؟ اگر آپ حلف اٹھانے پر مستعد بھی ہوں تاہم میں خیال کرونگا کہ آپ ایک پورانے خیال اور عادت سے متاثر ہو کر ایسی جرأت کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں ورنہ آپ کو بصیرت کی راہ سے ہرگز قدرت نہیں ہوگی کہ کسی ایسی حدیث کے لفظ کی صحت قطعی اور یقینی کی نسبت دلائل شافیہ جو غیر قوم کے لوگ بھی سمجھ سکیں پیش کر سکیں۔ سو چونکہ واقعی صورت یہی ہے کہ جس قدر حدیثیں تعامل کے سلسلہ سے فیضیاب ہیں

وہ حسب استفاضہ اور بقدر اپنے فیضیابی کے یقین کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں لیکن باقی حدیثیں ظن کے مرتبہ سے زیادہ نہیں۔ غایت کار بعض حدیثیں ظن غالب کے مرتبہ تک ہیں۔ اسلئے میرا مذہب بخاری اور مسلم وغیرہ کتب حدیث کی نسبت یہی ہے جو میں نے بیان کر دیا ہے یعنی مراتب صحت میں یہ تمام حدیثیں یکساں نہیں ہیں۔ بعض بوجہ تعلق سلسلہ تعامل الیقین کی حد تک پہنچ گئی ہیں۔ اور بعض بباعث محروم رہنے کے اس تعلق سے ظن کی حالت میں ہیں۔ لیکن اس حالت میں مَیں حدیث کو جب تک قرآن کے صریح مخالف نہ ہو موضوع قرار نہیں دے سکتا۔ اور مَیں سچے دل سے اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ حدیثوں کے پرکھنے کیلئے قرآن کریم سے بڑھکر اور کوئی معیار ہمارے پاس نہیں۔ ہر چند محدثین نے اپنے طریق پر روایت کی حالت کو صحت یا غیر صحت حدیث کے لئے معیار مقرر کیا ہے۔ لیکن کبھی انہوں نے دعویٰ نہیں کیا کہ یہ معیار کامل اور قرآن کریم سے مستغنی کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے یاایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا۔[1] یعنی اگر کوئی فاسق کوئی خبر لاوے تو اسکی اچھی طرح تفتیش کر لینی چاہیئے۔ اور ظاہر ہے کہ بوجہ اسکے کہ بجز نبی کے اور کوئی معصوم ٹھہر نہیں سکتا اور امکانی طور پر صدور کذب وغیرہ ذنوب کا ہر یک سے بجز نبی کے ممکن الوقوع ہے۔ لہذا روایت کے حالات صدق وکذب و دیانت وخیانت کے پرکھنے کیلئے بڑی کامل تحقیقات درکار تھی تا ان حدیثوں کو مرتبہ یقین کامل تک پہنچاتی۔ لیکن وہ تحقیقات میسر نہیں آسکی۔ کیونکہ اگرچہ صحابہ کے حالات روشن تھے۔ اور ان لوگوں کے حالات بھی جنہوں نے ائمہ حدیث تک حدیثوں کو پہنچایا۔ لیکن درمیانی لوگ جن کو صحابہ نے دیکھا تھا اور نہ ائمہ حدیث ان کے اصلی حالات سے پُورے اور یقینی طور پر واقف تھے ان کے صادق یا کاذب ہونے کے حالات یقینی اور قطعی طور پر کیونکر معلوم ہو سکتے تھے؟

سو ہر یک منصف اور ایماندار کو یہی مذہب اور عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ بجز ان حدیثوں کے جو آفتاب سلسلہ تعامل سے منور ہوتی چلی آئی ہیں۔ باقی تمام حدیثیں کسی قدر تاریکی سے پُر ہیں۔ اور انکی اصلی حالت بیان کرنے کے وقت ایک متقی کی یہ شان نہیں ہونی چاہیئے کہ چشم دید یا قطعی الثبوت چیزوں کی طرح ان کی نسبت صحت کا دعویٰ کرے۔ بلکہ گمان صحت رکھکر واللہ اعلم کہدیوے۔ اور جو شخص ان حدیثوں کی نسبت واللہ اعلم بالصواب نہیں کہتا اور احاطۂ تام کا دعویٰ کرتا ہے وہ بلاشبہ جھوٹا ہے۔ خداوند کریم ہرگز پسند نہیں کرتا کہ انسان علم تام سے پہلے علم تام کا دعویٰ کرے۔ اسی قدر دعویٰ کرنا چاہیئے جس قدر علم حاصل ہو۔ پھر زیادہ اس سے اگر کوئی سوال کرے تو واللہ اعلم بالصواب کہدیا جائے۔ سو مَیں آپ کی خدمت میں کھول کر گذارش کرتا ہوں کہ مَیں حصّہ دوم حدیثوں کی نسبت خواہ وہ حدیثیں بخاری کی ہیں یا مسلم کی ہیں ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ وہ

[1] حجرات : ۷

میرے نزدیک قطعی الثبوت ہیں۔ اگر میں ایسا کہوں تو خدا تعالیٰ کو کیا جواب دوں۔ ہاں اگر کوئی ایسی حدیث قرآن کریم سے مخالف نہ ہو تو پھر میں اسکی صحت کاملہ کی نسبت قائل ہو جاؤنگا۔ اور آپکا یہ فرمانا کہ قرآن کریم کو کیوں محک صحت احادیث ٹھہراتے ہو۔ سو اس کا جواب میں بار بار یہی دونگا کہ قرآن کریم مھیمن اور امام اور میزان اور قول فصل اور ہادی ہے۔ اگر اسکو محک نہ ٹھہراؤں تو اور کس کو ٹھہراؤں ؟

کیا ہمیں قرآن کریم کے اس مرتبہ پر ایمان نہیں لانا چاہیئے۔ جو مرتبہ وہ خود اپنے لئے قرار دیتا ہے؟ دیکھنا چاہیئے کہ وہ صاف الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا[1]۔ کیا اس حبل سے حدیثیں مراد ہیں؟ پھر جس حالت میں وہ اس حبل سے پنجہ مارنے کیلئے تاکید شدید فرماتا ہے تو کیا اس کے یہ معنے نہیں کہ ہم ہر ایک اختلاف کے وقت قرآن کریم کی طرف رجوع کریں؟ اور پھر فرماتا ہے۔ ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکًا ونحشرہ یوم القیٰمۃ اعمیٰ[2]۔ یعنی جو شخص میرے فرمودہ سے اعراض کرے اور اسکے مخالف کی طرف مائل ہو تو اسکے لئے تنگ معیشت ہے یعنی وہ حقائق اور معارف سے بے نصیب ہے، اور قیامت کو اندھا اٹھایا جائیگا۔ اب ہم اگر ایک حدیث کو صریح قرآن کریم کے خلاف پائیں اور پھر مخالفت کی حالت میں بھی اسکو مان لیں اور اس مخالفت کی کچھ بھی پرواہ نہ کریں تو گویا اس بات پر راضی ہو گئے کہ معارف حقہ سے بے نصیب رہیں اور قیامت کو اندھے اٹھائے جائیں۔ پھر ایک جگہ فرماتا ہے۔ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْكَ ۔۔ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ[3]۔ یعنی قرآن کریم کو ہر یک امر میں دستاویز پکڑو۔ تم سب کا اسی میں شرف ہے کہ تم قرآن کو دستاویز پکڑو اور اسی کو مقدم رکھو۔ اب اگر ہم مخالفت قرآن اور حدیث کے وقت میں قرآن کو دستاویز نہ پکڑیں تو گویا ہماری یہ مرضی ہوگی کہ جس شرف کا ہم کو وعدہ دیا گیا ہے اس شرف سے محروم رہیں۔ اور پھر فرماتا ہے ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہ شیطانًا فھو لہ قرین[4]۔ یعنی جو شخص قرآن کریم سے اعراض کرے اور جو اسکے صریح مخالف ہے اسکی طرف مائل ہو ہم اسپر شیطان مسلط کر دیتے ہیں کہ ہر وقت اسکے دل میں وساوس ڈالتا ہے اور حق سے اسکو پھیرتا ہے اور نابینائی کو اسکی نظر میں آراستہ کرتا ہے اور ایک دم اس سے جدا نہیں ہوتا۔ اب اگر ہم کسی ایسی حدیث کو قبول کر لیں جو صریح قرآن کی مخالف ہے تو گویا ہم چاہتے ہیں کہ شیطان ہمارا دن رات کا رفیق ہو جائے اور اپنے وساوس میں ہمیں گرفتار کرے اور ہم پر نابینائی طاری ہو۔ اور ہم حق سے بے نصیب رہ جائیں۔ اور پھر فرماتا ہے۔ اللہ نزل احسن الحدیث کتابًا متشابھًا مثانی تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم وقلوبھم الیٰ ذکر اللہ[5]۔ یعنی ذالک الکتٰب کتابٌ متشابہ یشبہ بعضہ بعضًا لیس فیہ تناقض ولا اختلاف مثنٰی

فیہ کل ذکر لیکون بعض الذکر تفسیر البعضہ تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربّہم
یعنی سیتولی جلالہ وھیبتہ علیٰ قلوب العشاق لتقشعر جلودھم من کمال الخشیۃ
والخوف یجاھدون فی طاعۃ اللہ لیلاً ونہاراً بتحریک تاثیرات جلالیۃ وتنبیہات
قہریۃ من القرآن ثم یبدل اللہ حالتہم من التالم الی التلذذ فیصیر الطاعۃ
جزو طبیعتہم وخاصۃ فطرتہم فتلین جلودھم وقلوبہم الی ذکر اللہ۔ یعنی لیسیل
الذکر فی قلوبہم کسیلان الماء ویصدر منہم کل امر فی طاعۃ اللہ بکمال السہولۃ
والصفاء لیس فیہ ثقل ولا تکلف ولا ضیق فی صدورھم بل یتلذذون بامتثال
امر الٰہہم ویجدون لذۃ وحلاوۃ فی طاعۃ مولٰہم وھذا ھو المنتھیٰ الذی
ینتھیٰ الیہ امر العابدین والمطیعین فیبدل اللہ اٰلامہم باللذات [1]

اب ان تمام محامد سے جو قرآن کریم اپنی نسبت بیان فرماتا ہے صاف اور صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقاصد عظیمہ کی آپ تفسیر فرماتا ہے۔ اور اسکی بعض آیات بعض کی تفسیر واقع ہیں یہ نہیں کہ وہ اپنی تفسیر میں بھی حدیثوں کا محتاج ہے۔ بلکہ صرف ایسے امور جو سلسلہ تعامل کے محتاج تھے وہ اسی سلسلہ کے حوالہ کر دیئے گئے ہیں اور ماسوا ان امور کے جس قدر امور تھے انکی تفسیر بھی قرآنِ کریم میں موجود ہے۔ ہاں باوجود اس تفسیر کے حدیثوں کے رو سے بھی

---

[1] ترجمہ یعنے یہ کتاب متشابہ ہے جسکی آیتیں اور مضامین ایکدوسرے سے ملتے جلتے ہیں انمیں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں ہر ذکر اور وعظ اسمیں دوہرا دوہرا کر بیان کیگئی ہے جس سے غرض یہ ہے کہ ایک مقام کا ذکر دوسرے مقام کے ذکر کی تفسیر ہو جائے۔ اسکے پڑھنے سے ان لوگوں کی کھالوں پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی اس کا جلال اور اسکی ہیبت عاشقوں کے دلوں پر غالب ہو جاتی ہے اسلئے کہ انکی کھالوں پر کمال خوف اور دہشت سے رونگٹے کھڑے ہو جائیں وہ قرآن کی قہری تنبیہات اور جلالی تاثیرات کی تحریک سے رات دن اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بہ دل و جان کوشش کرتے رہیں پھر انکی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انکی اس حالت کو جو پہلے دکھ درد کی حالت ہوتی ہے لذّت و سرور سے بدل ڈالتا ہے۔ چنانچہ اسوقت اطاعتِ الٰہی انکی جُزو بدن اور خاصہ فطرت ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انکے دلوں اور بدنوں پر رقت اور لینت طاری ہوتی ہے یعنے ذکر انکے دلوں میں پانی کی طرح بہنا شروع ہو جاتا ہے اور ہر بات طاعتِ الٰہی کی ان لوگوں سے نہایت سہولت اور صفائی سے صادر ہوتی ہے نہ یہ کہ اسمیں کوئی بوجھ ہو یا انکے سینوں میں اس سے کوئی تنگی واقع ہو بلکہ وہ تو اپنے معبود کے امر کی فرمانبرداری میں لذت حاصل کرتے ہیں اور اپنے مولیٰ کی طاعت میں انہیں حلاوت آتی ہے پس عابدوں اور مطیعوں کی غایت کار اور معراج یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انکے دکھوں کو لذّتوں سے بدل ڈالے۔ ایڈیٹر۔

عوام کے سمجھانے کیلئے جولا یمسہ کے گروہ میں داخل ہیں زیادہ تر وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے لیکن جو اس امت میں الا المطھرون کا گروہ ہے۔ وہ قرآن کریم کی اپنی تفسیروں سے کامل طور پہ فائدہ حاصل کرتا ہے لیکن اس کا زیادہ لکھنا چنداں ضروری نہیں ضروری امر تو صرف اسی قدر ہے کہ ہر یک حدیث مخالف ہونے کی حالت میں قرآن کریم پر پیش کرنی چاہیئے۔ چنانچہ یہ امر ایک مشکوٰۃ کی حدیث سے بھی حسب منشاء ہمارے بخوبی طے ہوجاتا ہے اور وہ یہ ہے۔ وان الحارث الاعور قال مررت فی المسجد فاذا الناس یخوضون فی الاحادیث فدخلت علی علیؓ فاخبرته فقال اوقد فعلوها قلت نعم قال اما انی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ یقول الا انها ستکون فتنة قلت ما المخرج منها یا رسول اللّٰہ قال کتاب اللّٰہ فیه خبر ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم هو الفصل لیس بالهزل من ترکه من جبار قصمه اللّٰہ ومن ابتغی الهدٰی فی غیره اضله اللّٰہ وهو حبل اللّٰہ المتین من قال به صدق ومن عمل به اجر ومن حکم به عدل ومن دعا الیه هدی الی صراط مستقیم۔ یعنی روایت ہے حارث اعور سے کہ میں مسجد میں جہاں لوگ بیٹھے تھے اور حدیثوں میں خوض کر رہے تھے گذرا۔ سو میں یہ بات دیکھ کر کہ لوگ قرآن کو چھوڑ کر دوسری حدیثوں میں کیوں لگ گئے۔ علیؓ کے پاس گیا اور اسکو جا کر یہ خبر دی۔ علیؓ نے مجھے کہا کہ کیا سچ مچ لوگ احادیث کے خوض میں مشغول ہیں اور قرآن کو چھوڑ بیٹھے ہیں میں نے کہا ہاں تب علیؓ نے مجھے کہا کہ یقیناً سمجھ کہ میں نے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ عنقریب ایک فتنہ ہوگا یعنی دینی امور میں لوگوں کو غلطیاں لگیں گی۔ اور اختلاف میں پڑینگے اور کچھ کا کچھ سمجھ بیٹھیں گے تب میں نے عرض کی کہ اس فتنہ سے کیونکر رہائی ہوگی تب آپنے فرمایا کہ کتاب اللّٰہ کے ذریعہ سے رہائی ہوگی اسمیں تم سے پہلوں کی خبر موجود ہے اور آنیوالے لوگوں کی بھی خبر ہے اور جو تم میں تنازعات پیدا ہوں انکا اسمیں فیصلہ موجود ہے وہ **قول فصل** ہے۔ ہزل نہیں جو شخص اسکے غیر میں ہدایت ڈھونڈیگا اور اس کو حکم نہیں بنائیگا خدا تعالیٰ اس کو گمراہ کر دیگا۔ وہ **حبل اللّٰہ المتین** ہے جس نے اس کے حوالہ سے کوئی بات کہی۔ اس نے سچ کہا۔ اور جس نے اسپر عمل کیا وہ ماجور ہے۔ اور جس نے اس روسے حکم کیا۔ اس نے عدالت کی۔ اور جس نے اس کی طرف بلایا اس نے راہ راست کی طرف بلایا۔ رواہ الترمذی والدارمی۔ اب ظاہر ہے کہ اس حدیث میں صاف اور صریح طور پر خبر دی گئی ہے کہ اس وقت میں فتنہ ہو جائے گا۔ اور لوگ طرح طرح کی ہدایت نکال لیں گے۔ اور انواع و اقسام کے اختلافات اس وقت میں باہم پڑ جائیں گے۔ تب اس فتنہ سے مخلصی پانے کے لئے قرآن کریم ہی دلیل ہوگا جو شخص اس کو محک

اور معیار اور میزان قرار دے گا وہ بچ جائے گا اور جو شخص اسکو محک قرار نہیں دے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔
اب ناظرین انصاف فرماویں کہ کیا یہ حدیث با آواز بلند نہیں پکارتی کہ احادیث وغیرہ میں جس قدر اختلاف باہمی پائے جاتے ہیں۔ ان کا تصفیہ قرآن کریم کے رُو سے کرنا چاہیئے۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام میں تہتّر کے قریب فرقے ہو گئے ہیں ہر یک اپنے طور پر حدیثیں پیش کرتا ہے اور دوسرے کی حدیثوں کو ضعیف یا موضوع قرار دیتا ہے۔ چنانچہ دیکھنا چاہیئے کہ خود حنفیوں کو بخاری اور مسلم کی تحقیق احادیث پر اعتراض ہیں تو اس حالت میں کون فیصلہ کرے؟ آخر قرآن کریم ہی ہے کہ اس گرداب سے اپنے مخلص بندوں کو بچاتا ہے اور اسی عُروۃ وثقیٰ کے پنہ سے اس کے سچے طالب ہلاک ہونے سے بچ جاتے ہیں۔

اور آپ نے جو یہ دریافت فرمایا ہے کہ اس مذہب میں تمہارا کوئی دُوسرا ہم خیال بھی ہے تو اسمیں یہ عرض ہے کہ وہ تمام لوگ جو اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ قرآن کریم درحقیقت حکم اور رہنما اور امام اور مُہیمن اور فرقان اور میزان ہے وہ سب میرے ساتھ شریک ہیں۔ اگر آپ قرآن کریم کی ان عظمتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ بھی شریک ہیں اور جن لوگوں نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ ایک فتنہ واقع ہونے والا ہے اس سے خروج بجز ذریعہ قرآن کریم کے ممکن نہیں۔ وہ لوگ بھی میرے ساتھ شریک ہیں۔ اور عمر فاروق جس نے کہا تھا حسبنا کتاب اللّٰہ، وہ بھی میرے ساتھ شریک ہیں اور دوسرے بہت سے اکابر ہیں جن کے ذکر کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ صرف نمونہ کے طور پر لکھتا ہوں۔ تفسیر حسینی میں زیر تفسیر آیت و اقیموا الصلٰوۃ ولا تکونوا من المشرکین* لکھا ہے کہ کتاب تیسیر میں شیخ محمد ابن اسلم طوسی سے نقل کیا ہے کہ ایک حدیث مجھے پہنچی ہے کہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ "جو کچھ مجھ سے روایت کرو پہلے کتاب اللّٰہ پر عرض کر لو۔ اگر وہ حدیث کتاب اللّٰہ کے موافق ہو تو وہ حدیث میری طرف سے ہوگی ورنہ نہیں"۔ سو مَیں نے اس حدیث کو کہ من ترك الصلٰوۃ متعمداً فقد کفر۔ قرآن سے مطابق کرنا چاہا اور تیس سال اس بارہ میں فکر کرتا رہا مجھے یہ آیت ملی۔ واقیموا الصلٰوۃ ولا تکونوا من المشرکین*"۔ اب چونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ پہلوں میں سے کسی ایک کا نام لو جو قرآن کریم کو محک ٹھہراتا ہے سو مَیں نے بحوالہ مذکورہ بالا ثابت کر دیا تو آپکو ضد چھوڑ کر مان لینا چاہیئے۔[1] اور صاف ظاہر ہے کہ چونکہ یہ تمام حدیثیں سلسلہ تعامل کی تقویت یاب نہیں۔

نوٹ [1] نقش در آئینہ آہنیں کند تاثیر ٭ سخن نمی شنوی ظالم ایں چہ خارائے است۔ ایڈیٹر۔

* الروم : ۳۲

صرف ظن یا شک کے درجہ پر ہیں اور فن حدیث کی تحقیقاتیں انکو ثبوت کامل کے درجہ تک نہیں پہنچا سکتیں اس صورت میں اگر ہم اس محک مقدس سے انکی تصحیح کے لئے مدد نہ لیں تو گویا ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ وہ حدیثیں صحت کاملہ کے درجہ تک پہنچ سکیں۔ مَیں متعجب ہوں کہ آپ اس بات کے ماننے سے کیوں اور کس وجہ سے رکتے ہیں کہ قرآن کریم کو ایسی احادیث کے لئے محک و معیار ٹھہرایا جائے؟ کیا آپ قرآن کریم کی ان خوبیوں کے بارے میں کہ وہ محک اور معیار اور میزان ہے کچھ شک میں ہیں؟ آپ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بخاری اور مسلم کے صحیح ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔ اب ان کو بہر حال آنکھیں بند کر کے صحیح مان لینا چاہیئے۔ لیکن مَیں سمجھ نہیں سکتا کہ یہ اجماع کن لوگوں نے کیا ہے اور کس وجہ سے واجب العمل ہو گیا ہے؟ دنیا میں حنفی لوگ پندرہ کروڑ کے قریب ہیں وہ اس اجماع سے منکر ہیں۔ ماسوا اسکے آپ صاحبان ہی فرمایا کرتے ہیں کہ حدیث کو بشرط صحت ماننا چاہیئے اور قرآن کریم پر بغیر کسی شرط کے ایمان لانا فرض ہے۔ اب اگرچہ اس بات پر تو ہمارا ایمان ہے کہ جو حدیث صحیح ثابت ہو جائے وہ واجب العمل ہے۔ لیکن اس بات پر ہم کیونکر ایمان لے آویں کہ ہر ایک حدیث بخاری اور مسلم کے بغیر کسی شک اور شبہ کے واجب العمل ماننی چاہیئے۔ یہ وجوب کس سند شرعی یا نص صریح سے ہوا کرتا ہے۔ کچھ بیان تو کیا ہوتا۔ تفسیر فتح العزیز میں زیر آیت فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ[1] کے لکھا ہے کہ "چنانچہ عبادت غیر خدا مطلقاً شرک و کفر است اطاعت غیر او تعالےٰ نیز بالاستقلال کفر است و معنے اطاعت غیر بلا استقلال آنست کہ ربقہ تقلید او در گردن اندازد و تقلید او لازم شمارد باوجود ظہور مخالفت حکم او بحکم او تعالیٰ۔"

اور مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی مرحوم بھی اپنے ایک خط میں جو آپ ہی کے نام ہے جو لاہور کی گول سڑک کے باغ میں آپنے مجھے دیا تھا قرآن کریم کی نسبت چند شرطیں اسی امر کی تائید میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ "فقیر را از ابتداء حال میلان بکلام رب عزیز بود و دُعاء میکردم کہ یا الٰہ العالمین دروازہ ہائے کلام خود بریں عاجز باز کن۔ سالہا شد و مصیبت بسیار شد تا بحدے کہ ہر جا کہ مے رفتم بلواے شد و دل تنگ شد ناگاہ القا شد قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاۗءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىھَا[2] بعد ازاں رو بقرآن شد و آیاتے کہ در باب توجہ بقرآن بود القاے شد مانند اتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ[3] و امثال آن تا بحدیکہ یک روز دیدم کہ قرآن مجید پیش روئیم نہادہ شد و القا شد ھٰذَا کِتَابِی وَ ھٰذَا عِبَادِی فَاقْرَءُوْا کِتَابِیْ عَلٰی عِبَادِیْ۔"

پس یہ آیت جو کہ مولوی صاحب اپنے القاء کے رُو سے ذکر فرماتے ہیں کہ اتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ کیسے فیصلہ

[1] بقرۃ: ۲۳ [2] بقرۃ: ۱۴۵ [3] اعراف: ۴

کرنیوالی آیت ہے جس سے صریح اور صاف طور پر صاف ثابت ہوتا ہے کہ اوّل توجہ مومن کی قرآنِ کریم کی طرف ہونی چاہیئے پھر اگر اس توجہ کے بعد کسی حدیث یا قول من دونہ میں داخل دیکھے تو اس سے مُنہ پھیر لیوے۔

پھر آپ مجھ سے دریافت فرماتے ہیں بلکہ مجھے الزام دیتے ہیں کہ مَیں نے مسلم کی حدیث کو اس وجہ سے ضعیف ٹھہرایا ہے کہ بخاری نے اسکو چھوڑ دیا ہے اسکے جواب میں میری طرف سے یہ عرض ہے کہ موضوع ہونا کسی حدیث کا اور بات ہے اور اسکا ضعیف ہونا اور بات اور چونکہ دمشقی حدیث ایک ایسی حدیث ہے جو اسکے متعلق کی حدیثیں بخاری نے اپنی کتاب میں لکھی ہیں مگر اس طوالانی حدیث کو چھوڑ دیا ہے اسلئے بوجہ تعلقات خاصہ اس حدیث کے جو دوسری حدیثوں سے ہیں یہ شک ہرگز نہیں ہو سکتا کہ بخاری صاحب اس حدیث کے مضمون سے بیخبر رہے ہیں بلکہ ذہن اسی بات کیطرف انتقال کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی رائے میں اسکو ضعیف قرار دیا ہے۔ سو یہ میری طرف سے یہ ایک اجتہادی امر ہے اور میں ایسا ہی سمجھتا ہوں اسکو موضوع ہونے سے کچھ تعلق نہیں اور یہ بحث اصل بحث سے خارج ہے اسلئے میں اس میں طول دینا نہیں چاہتا آپکا اختیار ہے جو چاہیں رائے قائم کریں پڑھنے والے خود میری اور آپکی رائے میں فیصلہ کر لینگے میرے پر اس امر کا کوئی الزام عاید نہیں ہو سکتا اور پھر آپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۲۶ کا حوالہ دیکر ناحق ایک طول اپنی کلام کو دیا ہے میری اس تمام کلام کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ میں نے فیصلہ کے طور پر کسی حدیث مسلم یا بخاری کو موضوع قرار دیدیا ہے بلکہ میرا مطلب صرف تناقض کو ظاہر کرنا ہے اور یہ دکھلانا ہے کہ اگر تناقض کو دُور نہ کیا جائے تو یہ دونوں طور کی حدیثوں میں سے ایک کو موضوع ماننا پڑیگا۔ سو میرے اس بیان میں فیصلہ کے طور پر کوئی حکم قطعی نہیں کہ درحقیقت بلاریب فلاں حدیث موضوع ہے بلکہ میرا تو ابتدا سے مذہب یہی ہے کہ اگر کسی حدیث کی قرآنِ کریم سے کسی طور سے تطبیق نہ ہو سکے تو وہ حدیث موضوع ٹھہریگی یا وہ حدیثیں جو سلسلہ تعامل کی متواترہ حدیثوں سے یا جو ایسی حدیثوں سے مخالف ہوں جو کمی اور کیفی طور پر اپنے ساتھ کثرت اور قوت رکھتی ہیں وہ موضوع ماننی پڑینگی۔ اگر میں کسی حدیث کو مخالف قرآن ٹھہراؤں اور آپ اسکو موافق قرآن کر کے دکھلا دیں تو مَیں اگر فرض کے طور پر اسکو موضوع ہی قرار دوں تب بھی عند التطابق اپنے مذہب سے رجوع کر لونگا۔ میری غرض تو صرف اسقدر ہے کہ حدیث کو قرآن کریم سے مطابق ہونا چاہیئے۔ ہاں اگر سلسلہ تعامل کے رُو سے کسی حدیث کا مضمون قرآن کے کسی خاص حکم سے بظاہر منافی معلوم ہو تو اسکو بھی تسلیم کر سکتا ہوں کیونکہ سلسلہ تعامل حجت قوی ہے میرے نزدیک بہتر ہے کہ آپ ان باتوں کے فکر کو جانے دیں اور اس ضروری بات پر توجہ کریں کہ کیا ایسی حالت میں جبکہ ایک حدیث صریح قرآن کریم کے مخالف معلوم ہو اور سلسلہ تعامل سے باہر ہو تو اسوقت کیا کرنا چاہیئے؟ میں آپ پر اپنا اعتقاد بار بار ظاہر کرتا ہوں کہ میں صحیح بخاری اور مسلم کی حدیثوں کو یونہی بلاوجہ ضعیف اور موضوع قرار نہیں دے سکتا بلکہ میرا انکی نسبت حسن ظن ہے ہاں جو حدیث قرآنِ کریم کے مخالف معلوم ہو اور کسی طرح اس سے مطابقت نہ کھا سکے۔ میں اس کو ہرگز منجانب

رسولِ کریم لقین نہیں کرونگا۔ جبتک کوئی مجھکو مدلل طور پر سمجھا نہ دیوے کہ درحقیقت کوئی مخالفت نہیں ہاں سلسلہ تعامل کی حدیثیں اس سے مستثنےٰ ہیں۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ "قرآن کریم کو حدیث کا معیار صحت ٹھہرانے میں کوئی علماء سلف میں سے تمہارے ساتھ ہے"۔ سو حضرت میں تو حوالہ دے چکا اب ماننا نہ ماننا آپ کے اختیار میں ہے۔

پھر آپ مجھسے اجماع کی تعریف پوچھتے ہیں مَیں آپ پر ظاہر کر چکا ہوں کہ میرے نزدیک اجماع کا لفظ اس حالت پر صادق آسکتا ہے کہ جب صحابہ میں سے مشاہیر صحابہ ایک اپنی رائے کو شائع کریں اور دوسرے باوجود سُننے اس رائے کے مخالفت ظاہر نہ فرماویں تو یہی اجماع ہے۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ اسی صحابی نے جو امیر المومنین تھے ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کی نسبت قسم کھاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوبرو اپنی رائے ظاہر کی اور آنحضرت نے اس سے انکار نہیں کیا اور نہ کسی صحابی نے اور پھر اسی امر کے بارے میں **ابن عمر** نے بھی قسم کھائی اور جابر نے بھی اور کئی صحابیوں نے بھی اپنی رائے ظاہر کی تو ظاہر ہے کہ یہ امر باقی صحابہ سے پوشیدہ نہیں رہا ہوگا۔ سو میرے نزدیک یہی اجماع ہے۔ اور کونسی اجماع کی تعریف مجھ سے آپ دریافت کرنا چاہتے؟ اگر آپ کے نزدیک یہ اجماع نہیں تو آپ جسقدر ابن صیاد کے دجال معہود ہونے پر صحابہ نے قسمیں کھاکر اسکا دجال معہود ہونا بیان کیا ہے یا بغیر قسم کے اس بارے میں شہادت دی ہے دونوں قسم کی شہادتیں بالمقابل پیش کریں اور اگر آپ پیش نہ کرسکیں تو آپ پر حجت من کل الوجوہ ثابت ہے کہ ضرور اجماع ہوگیا ہوگا کیونکہ اگر انکار پر قسمیں کھائی جاتیں تو ضرور وہ بھی نقل کی جاتیں آنحضرت صلعم کا قسم کو سُنکر چُپ رہنا ہزار اجماع سے افضل ہے اور تمام صحابہ کی شہادت سے کامل تر شہادت ہے، پھر اگر یہ چھیڑ چھاڑ فضول نہیں تو اور کیا ہے!۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ "ابن صیاد کے دجال ہونے پر کب آنحضرت صلعم نے اپنی زبان سے اپنا ڈر نا ظاہر فرمایا ہے"۔ میں کہتا ہوں کہ تمام باتیں تصریح سے ہی ثابت نہیں ہوتیں اشارہ سے بھی ثابت ہوجاتی ہیں جس حالت میں صحابی کا یہ قول ہے کہ جسوقت تک آنحضرت صلعم بعد دیکھنے ابن صیاد کے زندہ رہے اس بات سے ڈرتے رہے کہ وہی دجال معہود ہوگا جیسے لم یزل کے لفظ سے ظاہر ہے اس صورت میں کوئی دانا خیال کرسکتا ہے کہ اس طول طویل مدت کا ڈر ایک احتمالی بات تھی؟ اور اس لمبی مدت میں کبھی آنحضرتؐ نے اپنے مُنہ سے نہیں فرمایا تھا جس حالت میں آنحضرتؐ آپ ہی فرماتے ہیں کہ ہر ایک نبی دجال سے ڈراتا رہا ہے اور مَیں بھی ڈراتا ہوں تو اس صورت میں کیونکر سمجھ آسکتی ہے کہ جو ڈر آنحضرتؐ کے دل میں مخفی تھا وہ کسی ایسی مدت میں کسی صحابی پر ظاہر نہیں کیا۔ ماسوا اِسکے جب ایک ادنےٰ قال سے ایک شخص ایک بات بیان کرکے اس کا قائل ٹھہرتا ہے۔ ایسا ہی اپنے اشارات اور ایماءات اور حالات سے اسکو ادا کرکے اس کا قائل قرار پاتا ہے سو یہ کونسی بڑی بات ہے جس کی

وجہ سے آپ مجھکو مُفتری قرار دیتے ہیں آپکو ڈرنا چاہیئے۔ انسان جو بیوجہ تہمت اپنے بھائی کی نسبت تجویز کرتا ہے وُہ خدا تعالیٰ کی جناب میں اس لائق ہوجاتا ہے کہ کوئی دُوسرا بھی تہمت اسپر کرے۔ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھکو پختہ طور پر اس بات پر یقین ہے کہ اگر لم یزل کا لفظ حدیث میں صحیح اور مطابق واقعہ ہے تو اس کا مصداق مجرد نگرانی حالات ہرگز نہیں ٹھہر سکتا مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ مَیں زید کو دس برس سے برابر دیکھتا ہوں کہ وہ دہلی جانے کا ہمیشہ ارادہ رکھتا ہے تو کیا اس سے یہ سمجھا جائیگا کہ زید نے کبھی زبان سے اس مُدت دس برس میں دہلی جانیکا ارادہ ظاہر نہیں کیا۔ اور بفرض محال اگر یہ اجمالی امر ہے تو جیسا اجمال اِس بات کا ہے کہ زبان سے کچھ نہ کہا ہو یہ احتمال بھی تو ہے کہ زبان سے کہا ہو لیکن لم یزل کا لفظ احتمال کے امر کو دُور کرتا ہے ایک مُدت تک کسی امر کی نسبت وُہ حالت بنائے رکھنا جس کا ادا کرنا زبان کا کام ہے صریح اس بات پر دلیل ہے کہ اتنی لمبی مُدت میں کبھی تو زبان سے بھی کام لیا ہوگا۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ تمہارا یہ کہنا۔ آپ ابن عربی کے مخالف تھے تو کیوں ناحق اسکا ذکر کیا۔ باطل ہے۔ کیونکہ میرے کلام کے صریح منطوق سے مختلف ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ آپکے کلام کا آپکے ابتدائی بیان میں یہ صریح منطوق بھی پایا جاتا ہے کہ آپ ابن عربی کے مؤید ہیں۔ اگر آپ مؤید ہیں تو آپنے صحیح بخاری کی حدیث کیوں نقل کی ہے؟ جسمیں لکھا ہے کہ محدّث بھی نبی کی طرح مرسل ہے اور آپنے کیوں محمد اسمٰعیل صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ محدّث کی وحی نبی کی طرح دخل شیطانی سے منزّہ کیجاتی ہے۔ اگر آپ بخاری کی حدیث کو نہیں مانتے تو گذشتہ راصلوٰۃ ابھی اقرار کردیں کہ مَیں محدّث کی وحی کو دخل شیطانی سے منزّہ ہونیوالی نہیں سمجھتا! تعجب ہے کہ ایک طرف تو آپ بخاری بخاری کرتے ہیں اور ایک طرف اسکے برخلاف چلتے ہیں! پھر جبکہ آپکا بخاری پر ایمان ہے کہ اسکی سب حدیثیں صحیح ہیں تو اِس صورت میں تو آپ کو ابن عربی سے اتفاق کرنا پڑیگا کیونکہ اگر کسی محدّث پر یہ کھُل جائے کہ فلاں حدیث موضوع ہے اور وہ بار بار کی وحی سے اسپر قائم کیا جائے۔ تو کیا اب حسب منشاء بخاری یہ اعتقاد نہیں کرینگے کہ محدّث کو وُہ حدیث موضوع مان لینی چاہیئے۔ پھر جبکہ آپکا یہ اعتقاد ہے تو میں نے آپ پر کیا افترا کیا؟ حضرت مولوی صاحب آپ ایسے الفاظ کو کیوں استعمال کرتے ہیں اتقوا اللہ کے مضمون کو کیوں اپنے دل میں قائم نہیں کرتے۔ مفتری ملعون اور دین سے خارج ہوتے ہیں۔ اجتہادی طور کی بات کو کسی نہج سے گو غلط ہی سہی سمجھ لینا اور چیز ہے اور عمداً ایک واقعہ معلومۃ الحقیقت کے برخلاف کہنا یہ اور امر ہے۔

(۱) آپکے خلاصہ سوال کی نسبت میرا یہی بیان ہے کہ اس طرح سے کہ جیسے حنفی لوگ امام اعظم صاحب پر محض تقلید کے طور پر ایمان رکھتے ہیں بخاری اور مسلم پر ایمان نہیں رکھتا انکی صحت کو ظن کے طور پر مانتا ہوں اور الغیب عند اللہ کہتا ہوں مجھے انکے بارے میں رویت کی مانند علم نہیں ہے۔ اگر کسی حدیث کو مخالف کتاب اللہ پاؤنگا تو بغیر تطبیق اور فیصلہ کے ہرگز اسکو قول رسول کریم نہیں سمجھونگا۔ گو حدیث صحیح میرا مذہب ہے اور قرآن کے معیار ٹھہرانے میں پہلے عرض کر آیا

ہوں اور سب کچھ بیان کر چکا ہوں۔ حاجت اعادہ نہیں ہے۔ فقط میرزا غلام احمد ۲۲ جولائی ۱۸۹۱ء

پرچہ نمبر ۶ ! مولوی صاحب ۔ افسوس آپ نے پھر بھی میرے اصل سوال کا جواب صاف اور قطعی* نہ دیا اور نہ فرمایا کہ صحیح بخاری و مسلم کی احادیث جملہ صحیح ہیں۔ یا جملہ موضوع یا مختلط یعنے بعض ان میں صحیح ہیں۔ بعض موضوع باوجودیکہ میرا یہ سوال آپ نے شروع تحریر میں نقل کر دیا جس سے یہ گمان کہ آپ نے مطلب سوال نہ سمجھا رفع ہو گیا۔ ہرچند آپنے یہ بات بتصریح کہدی ہے کہ اگر میں کسی حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم کو کتاب اللہ کے

* مرزا صاحب کے جوابات ہمارے سوالات کے مقابلہ میں بعض رؤسا لدھیانہ نے سُنے اسکی نظر میں ایک چشم دید حکایت بیان کی۔ اُس حکایت کا اس مقام میں نقل کرنا لطف سے خالی نہیں رئیس مذکور نے بیان کیا کہ ایک رسالہ کے ایک کمان افسر ایک یوروپین صاحب تھے جو رات کو دو گھنٹے دربار کیا کرتے اور اسمیں اپنی فوج کے سرداروں کے معروضات اور رسالہ کے یومیہ واقعات سُنتے۔ ایک دن ایک سردار کی اونٹنی کھوئی گئی۔ صاحب کمان افسر کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے رات کے دربار میں سردار اونٹنی کے مالک سے کہا کہ سردار صاحب اس واقعہ کے متعلق مجھے آپ صرف تین باتوں کا جواب دیں اور کچھ نہ فرماویں یہ اسلئے کہدیا تھا کہ صاحب بہادر کو اس بات کا علم تھا کہ سردار صاحب بڑے باتونی ہیں وہ مطلب کی بات کا جواب جلد نہ دینگے۔ وہ تین باتیں یہ ہیں کہ اونٹنی کس پڑاؤ پر کھوئی گئی اور کس وقت و تاریخ۔ سردار صاحب نے یہ تمہید شروع کی کہ حضور وہ اونٹنی میں نے ساڑھے تین سو روپیہ کو خریدی تھی مگر اسکے پانسو روپیہ مانگے جاتے تھے صاحب نے کہا کہ سردار صاحب میں نے یہ بات آپسے نہیں پوچھی جو میں نے آپ سے پوچھا ہے اُس کا جواب دیں۔ سردار صاحب نے فرمایا کہ حضور وہ اونٹنی میں نے بیکانیر کی منڈی سے خریدی تھی۔ اِس پر پھر صاحب بہادر نے فرمایا کہ سردار صاحب یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔ آپ میرے سوالات کا جواب دیں۔ سردار صاحب نے فرمایا کہ ہاں حضور جواب دیتا ہوں وہ اونٹنی سو کوس روز چلتی تھی اس پر صاحب نے پھر وہی عذر کیا کہ سردار صاحب آپ اور تکلیف نہ کریں صرف میرے سوالات کا جواب دیں اسپر سردار صاحب نے ان تینوں سوالوں کا جواب کوئی نہ دیا۔ اور اپنی اونٹنی کے وقائع عمری شمار کرنا شروع کیا۔ یہانتک کہ دربار کا وقت مقرری گذر گیا اور ان سوالات ثلثہ کا جواب نہ دیا۔ (ابوسعید)

حاشیہ بر حاشیہ ۱- مولوی صاحب کی طبعزاد یا مولوی صاحب کے کسی فرضی رئیس کے اس خانہ ساز کہانی پر ہم سوائے اسکے اور کچھ کہنا نہیں چاہتے کہ دقیقہ رس ناظرین خودہی فیصلہ کرلیں گے کہ یہ داستان کہانتک بجا اور باموقع ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ مولوی صاحب کے ناحق کے افسوس سے کوئی سچی ہمدردی کرنے والا پیدا نہ ہوگا۔ ایک ناشکرگذار بے صبر کی طرح انہیں سیری بخش سامان مل رہا ہے اور وہ افسوس و شکایت کئے جا رہے ہیں معلوم نہیں ایسا کفور مبین بننے سے آپ کیا اپنے تئیں ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مولوی صاحب ایسے صاف اور مسکت جواب آپ کو مل رہے ہیں کہ ان کی قوت و سطوت نے آپکو مختل الحواس بنا دیا ہے ورنہ آپ خودہی اس جملہ پر جو

موافق نہ پاؤنگا تو اسکو موضوع قرار دُونگا کلام رسول صلعم نہ سمجھونگا (۲) اور اپنے پرچہ نمبر ۴ میں آپ صاف کہہ چکے ہیں کہ ان کتابوں کے وہ مقامات جن میں تعارض ہے تحریف سے خالی نہیں۔ مگر اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ایسی کوئی حدیث ہے یا نہیں جسکو آپ اس اصول کی شہادت سے موضوع قرار دیتے ہیں اور طرفہ یہ کہ ان مقامات ازالہ اوہام میں جو میرے پرچہ نمبر ۲ میں منقول ہوئے ہیں آپ صحیحین کی بعض احادیث کو موضوع قرار دے چکے ہیں مگر آپ پرچہ نمبر ۵ میں اس سے انکار کرتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ میں نے وہاں کہا ہے شرطیہ طور پر کہا ہے کہ بشرط تعارض و عدم موافقت و مطابقت وہ احادیث موضوع ہیں۔ میرا وہ قطعی فیصلہ نہیں ہے۔ باوجودیکہ ان مقامات میں آپنے یہ شرط نہیں لگائی بلکہ ان احادیث کا باہم تعارض خوب زور سے ثابت کیا اور پھر انکو موضوع قرار دیا ہے۔ آپکے میرے اصل سوال کا جواب نہ دینے اور ازالۃ الاوہام کی تصریحات مذکورہ پرچہ نمبر ۲ سے انکار کر جانے کیوجہ یہ ہے کہ آپ اس سوال کے دونوں شق جواب میں پھنستے ہیں اور کوئی شق قطعی طور پر اختیار نہیں کر سکتے اگر آپ یہ شق جواب اختیار کریں کہ وہ احادیث سب کی سب صحیح ہیں تو اسسے آپ پر سخت مصیبت عاید ہوتی ہے کیونکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث آپکے عقائد مستحدثہ جدیدہ کے صریح خلاف ہیں۔ ان احادیث کو صحیح مان کر آپکا کوئی عقیدہ جدیدہ قائم و ثابت نہیں رہ سکتا اس وجہ سے آپنے یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ احادیث صحیحین کو بلا وقفہ نظر صحیح تسلیم کرنا اندھاپن اور تقلید بلا دلیل ہے اور اگر آپ یہ شق جواب اختیار کریں کہ حدیث صحیحین سب کی سب موضوع یا ازاں جملہ بعض صحیح اور بعض موضوع ہیں تو اسسے عام اہل اسلام اور خصوصاً اہل حدیث جنکے بعض عوام آپکے دام میں پھنس گئے ہیں آپ سے بے اعتقاد ہوتے اور کفر یا فسق اور بدعت کا فتویٰ لگانے کو طیار ہوتے ہیں*۔ یہی وجہ ہے کہ آپ میرے سوال کا صاف اور قطعی جواب نہیں دیتے صرف شرطی

(ب) ندارد ایڈیٹر — شروع مضمون میں آپنے لکھا ہے۔ غور کرکے سمجھ سکتے تھے کہ حضرت مرزا صاحب آپ کو جواب باصواب دے چکے ہیں اور وہ جملہ یہ ہے۔ "ہرچند آپ نے یہ بات بتصریح" الخ ایڈیٹر۔

* مولوی صاحب کی تیز فہمی ملاحظہ کے قابل ہے مولویصاحب کے نزدیک گویا مرزا صاحبنے جواب کی شق ثانی اختیار نہیں کی بایں خیال کہ مبادا عوام مسلمان اور اہل حدیث کا فتویٰ لگانے کو طیار نہ ہو جائیں مگر حیرت ہے کہ اسپر بھی ہمارے آتشین مزاج مولوی صاحب کی زبان کی ایذا سے حضرت مرزا صاحب بچ نہ سکے۔ مولوی صاحبنے پہلے ہی سے اس بات کو جو سائر اہل حدیث کو بھی مرزا صاحب کے جواب کی شق ثانی کے اختیار کرنے پر سوجھتی اپنے ذہن میں شدہ ٹھان کر مرزا صاحب کے حق میں وہ فتوے جڑ دیئے اور یوں اہلحدیث کی پیٹھ پر سے ایک فرض کفایہ کا بوجھ ہلکا کر دیا آفرین ؎ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ ایڈیٹر

طور پر کہتے ہیں کہ اگر کتاب بخاری و مسلم کی احادیث کو موافق قرآن نہ پاؤنگا تو مَیں اسکو موضوع قرار دونگا ورنہ مجھے بخاری و مسلم سے حسن ظن ہے مَیں خواہ مخواہ یعنی قبل از وقت و بلا ضرورت انکی احادیث کو موضوع قرار دینا ضروری نہیں سمجھتا ضرورت ہوگی یعنی قرآن سے انکی موافقت نہ ہوسکے تو موضوع قرار دُونگا۔

ہرچند آپکے اِس شرطی جواب پر بھی حق و اختیار حاصل ہے کہ مَیں آپسے اِس سوال کے جواب کا مطالبہ کروں لیکن اب میری یہ امید کہ آپ میرے سوال کا جواب دینگے قطع ہوگئی اور مَیں یہ بھی جان چکا ہوں کہ میرے اس مطالبہ پر بھی آپ ۲۶ صفحہ یا اسسے دو چند ۵۲ صفحہ بھی ایسے ہی لایعنی اور فضول باتوں کا اعادہ کرینگے جو اسوقت تک مکرر سہ کرر تحریر کر چکے ہیں جن سے آپکا تو یہ فائدہ ہے کہ آپکے مرید حاضر مجلس یہ کہینگے اور کہہ رہے ہیں سبحان اللہ* ہمارے حضرت مسیح اقدس کسقدر طولانی تحریرات کرتے ہیں اور کتنے صفحہ کاغذات پُر کرتے ہیں اور بیسوں آیات قرآن تحریر فرماتے جاتے ہیں اور یہی فائدہ اس تحریر سے آپ کو پیشِ نظر ہے مگر میرے اوقات کا کمال حرج ہے مجھے اس بحث کے علاوہ اور بھی بہت سے اہم کام دامنگیر ہیں لہذا اب میں آپسے اس سوال کے جواب کا مطالبہ نہیں کرتا اور مَیں ناظرین اور سامعین کو آپکی طولانی تحریرات کے وہ نتائج بتانا چاہتا ہوں جن نتائج کے جتلانے کی غرض سے مَیں ابتک آپکے جواب پر نکتہ چینیاں کرتا رہا ہوں میرا یہ مقصود نہ ہوتا جو مَیں آپکے پرچہ نمبر ۳ کے جواب میں لکھ چکا تھا کہ آپنے قبولیت حدیث کی شرط بتائی ہے مگر یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ شرط احادیث صحیحین میں پائی جاتی ہے یا نہیں ونباءً علیہ وہ حدیث صحیح ہیں یا نہیں اسپر اکتفا کرتا اور اسکے جواب دینے پر آپ کو مجبور کرتا اور دوسری کوئی بات آپکی نہ سنتا کیونکہ ہر شخص جسکو فن مناظرہ میں ادنیٰ مس ہو یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ جب کوئی اپنے مناظر و مخاطب سے اصول تسلیم کرانا چاہے کوئی اصول پیش کرکے اسسے دریافت کرے کہ آپ اس اصول کو مانتے ہیں یا نہیں تو اسکے مخاطب کا فرض صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اسکو تسلیم کرے یا اسسے انکار کرے اسسے زیادہ کسی اصول کے تسلیم یا عدم تسلیم کی وجہ بیان کرنا اسکا فرض نہیں ہوتا یہ اس صورت میں اور اسی وقت ہوتا ہے جبکہ اس کا مقابل صاحبِ تمہید اسکی تسلیم کے یا عدم تسلیم کے خلاف کا مدعی ہو اور اپنے ممہدہ اصول پر دلائل قائم

---

*بلا اللہ اللہ! مولوی صاحب کے بغض و عناد کی کوئی حد باقی نہیں رہی بات بات پر جلے پھپھولے پھوڑتے ہیں۔ ناظرین اس راز کو ہم کھولے دیتے ہیں غور سے سنیئے اور انصاف کیجیے جس دن حضرت مرزا صاحب نے مضمون نمبر ۵ سُنایا چونکہ ایک عارف ملہم مؤید من اللہ کے کلام میں قدرتی تاثیر ہوتی ہے اکثر حاضرین کے منہ سے بے اختیار سبحان اللہ نکل گیا اور عموم حاضرین کے چہروں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ استیلائے اثر سے وجد و رقت انپر طاری ہو رہی ہے ہمارے زاہد خشک مع لو ایضا کو یہ نظارہ بھی سخت جانگداز گزرا۔ یہ کہدینا اور عمدًا ایمان کے خلاف اظہار کرنا کہ وہ مریدین کی جماعت تھی بڑی آسان بات ہے، اس سے مرزا صاحب کے مضامین کی خداداد خوبی اور قدر کم نہیں ہوسکتی مضامین موجود ہیں خود پبلک دیکھ لے گی۔ ایڈیٹر۔

کرے آپنے میرے اصول کی نسبت تسلیم یا عدم تسلیم تو قطعی طور پر ظاہر نہیں کی مگر ان اصول کا خلاف ثابت کرنے پر مستعد ہو گئے سو بھی ایسے طور پر کہ اصل سوال سے غیر متعلق اور فضول باتوں میں خامہ فرسائی شروع کردے اس صورت میں مجھ پر لازم نہ تھا کہ میں آپکی کسی بات کا جواب دیتا یا اسپر کوئی سوال کرتا مگر اسی غرض سے ابتک آپکے جوابات کے متعلق خدشے و سوالات کرتا رہا ہوں کہ آپکی کلام سے وہ نتائج پیدا ہوں جنکو میں عام اہل اسلام پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں اس غرض سے میں اب آپکی تحریرات سابقہ و حال پر تفصیلی نکتہ چینی کرتا ہوں جس کا وعدہ اپنی تحریرات سابقہ میں دے چکا ہوں اس نکتہ چینی میں بالاستقلال تو آپکا پرچہ نمبرہ نشانہ ہوگا مگر اسکے ضمن میں آپکی جملہ تحریرات سابقہ کا جواب آجائیگا۔ بحول اللہ وقوتہ۔

آپ لکھتے ہیں کہ احادیث کے دو حصے ہیں اوّل وہ جو تعامل میں آچکا ہے اسمیں تمام ضروریات دین اور عبادات اور معاملات اور احکام شرع داخل ہیں یہ حصہ بلا شبہ صحیح ہے مگر اسکی صحت نہ روایت کی رُو سے ہے بلکہ تعامل کے ذریعہ سے دوسرا وہ حصہ جس پر تعامل نہیں پایا گیا یہ حصہ یقیناً صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا مدار صرف اصول روایت پر ہے اور اصول روایت سے صحت کا ثبوت اور کامل اطمینان نہیں ہو سکتا ہاں اس حصہ کی قرآن کریم سے موافقت ثابت ہو تو یہ بھی یقیناً صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے اس قول سے ثابت ہے اور یہ ہی جتانا اس وقت مدنظر ہے کہ آپ فن حدیث اور اصول روایت اور قوانین روایت سے محض ناواقف ہیں اور مسائل اسلامیہ سے ناآشنا۔

آپ یہ نہیں جانتے کہ ضروریاتِ دین اصطلاح علماء اسلام میں کس کو کہتے ہیں اور تعامل کی کیا حقیقت ہے اور وہ جملہ احادیث معاملات و احکام سے متعلق کیونکر ہو سکتا ہے اور اہلِ اسلام کے نزدیک اصول تصحیح روایت کیا ہیں۔

خاکسار ہر ایک امر سے آپکو اور دیگر ناواقف ناظرین کو مطلع کر کے یہ جتانا چاہتا ہے کہ جو کچھ آپنے کہا وہ ناواقفی پر مبنی ہے اور وہ میرے سوال کا جواب نہیں ہو سکتی۔

پس واضح ہو کہ ضروریاتِ دین وہ کہلاتے ہیں جو دین سے ضرورۃً یعنے بداہتہً اور بلافکر معلوم ہوں اور نہ وہ امور جن کی طرف دین کی ضرورت یعنی حاجت متعلق ہو۔

ضرورت سے مراد امور متعلقہ حاجت ہوں تو اس سے آنحضرتؐ کی کوئی حدیث خارج و مستثنےٰ نہیں ہوتی۔ آنحضرتؐ نے جو کچھ دین میں فرمایا ہے وہ دینی حاجت و ضرورت کے متعلق ہے اس صورت میں دوسرا حصہ احادیث جسکو آپ یقیناً صحیح نہیں جانتے ضروریاتِ دین میں داخل ہو جاتا ہے۔

اگر آپ یہ کہیں کہ ضروریات سے میری مراد بھی وہی ہے جو تم نے بیان کی ہے تو پھر جملہ احکام معاملات و عقود کو ضروریات میں شامل کرنا غلط قرار پاتا ہے۔

احکام متعلقہ معاملات بلکہ عبادات جملہ ایسے نہیں جو بداہتہً دین سے ثابت ہوں کسی حکم یا امر پر تعامل کی صورت یہ ہے

کہ وہ حکم عام لوگوں کے عمل میں آجاوے اسکی مثال ہم احکام شرع سے صرف ان اتفاقی امور کو ٹھہرا سکتے ہیں جو جملہ اہل اسلام میں علی سبیل الاشتراک عمل میں آگئے ہیں۔

جیسے نماز یا حج یا صوم۔ کہ اتفاقی ارکان ہیں۔

بلالحاظ انکے قیودات و خصوصیات کے کہ نماز رفع یدین والی ہو یا بلا رفع اور اسمیں ہاتھ سینہ پر باندھے جاویں یا زیر ناف یا ارسال یدین عمل میں آوے وعلیٰ ہذا القیاس اور اگر انکے قیود و خصوصیات کا لحاظ کیا جاوے تو ان پر تعامل کا ادعا محض غلط ہے اور کوئی فریق یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہمارا طریق تعامل عام اہل اسلام سے ثابت ہے۔

ان امور پر تعامل عام ہوتا تو ان میں اختلاف ہرگز واقع نہ ہوتا جو آپ کے نزدیک وضع و عدم صحت کی دلیل ہے۔ لہذا آپ کا یہ کہنا کہ احادیث کا حصہ متعلق عبادات و معاملات تعامل سے ثابت ہے محض ناواقفی پر مبنی ہے۔

اور اگر تعامل سے آپکی مراد خاص خاص فرقوں یا شہروں یا اشخاص کا تعامل ہے اور اس تعامل کو قطعی صحت کی دلیل سمجھتے ہیں تو آپ پر سخت مصیبت پڑیگی کیونکہ یہ تعامل خاص ہر ایک قوم و شہر و مذہب کا باہم مختلف ہے یہ موجب یقین ہو تو چاہیئے کہ جملہ احادیث مختلفہ جن پر یہ تعامل ہائے خاص خاص پائے جاتے ہیں یقینی اور صحیح ہوں اور یہ امر نہ صرف آپکے مذہب کے بالکل مخالف ہے بلکہ حق اور نفس الامر کے بھی مخالف ہے۔ اصول تصحیح روایت محققین اہل اسلام کے نزدیک یہ نہیں جو آپنے قرار دیا ہے کہ وہ توافق قرآن ہے یا تعامل امت۔ بلکہ وہ اصول شروط صحت ہیں جن کا مدار چار امور سے عدل۔ ضبط۔ عدم شذوذ و عدم علت ہے۔ ان شروط میں جو آپ نے سلامت فہم راوی کو داخل کیا ہے یہ بھی آپ کی فنون حدیث سے ناواقفی پر دلیل ہے۔

فہم معنے ہر ایک حدیث کی روایت کیلئے شرط نہیں ہے بلکہ خاصکر اس حدیث کی روایت کیلئے شرط ہے جس میں بالمعنے حکایت ہو اور جس حدیث کو راوی بعینہ الفاظ سے نقل کرے اس میں راوی کے فہم معانی کو کوئی شرط نہیں ٹھہراتا۔ کتب اصول حدیث شرح نخبہ وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

اسکے جواب میں شاید آپ کہیں گے کہ احادیث سب ہی بالمعنے روایت ہوتی ہیں جیسے کہ آپ کے مقتدا سید احمد خاں نے (جسکی تقلید سے آپ نے قرآن کو معیار صحت احادیث ٹھہرایا ہے جنانچہ عنقریب ثابت ہوگا) کہا ہے تو اسپر آپکو اہل حدیث جو فن حدیث سے واقف ہیں محض ناواقف کہیں گے۔

سلف نے احادیث نبویہ کو بعینہ الفاظ سے روایت کیا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض روایت میں شک راوی موجود ہے اگر صحابہ وغیرہ رواۃ سلف میں حکایت بالمعنے کا رواج ہوتا تو وہ ہم معنے لفظوں کو جیسے "مومن" و "مسلم"

شک سے بلفظ "مومن او مسلم" روایت نہ کیا جاتا۔ اس مسئلہ کی تحقیق کتب اصول فقہ و اصول حدیث میں ہے۔ اور ہماری تالیفات اشاعۃ السنہ وغیرہ میں آپ انکو ملاحظہ فرماویں۔

آپ شروط صحت کی تحقیق و ثبوت کو شکی فرماتے ہیں و بناءً علیہ صرف اصول روایت کو مثبت صحت قرار نہیں دیتے یہ امر بھی فن حدیث سے آپ کی ناواقفی کا مثبت ہے۔ مہربان من شروط کی تحقیق و ثبوت میں محدثین نے ایسی تحقیق کی ہے کہ اس سے علم طمانیت حاصل ہو جاتا ہے۔

محدثین نے ہر ایک راوی کے تحقیق حال میں کہ وہ کب پیدا ہوا کہاں کہاں سے سفر کر کے اس نے حدیث حاصل کی کس کس سے حدیث سنی کس کس نے اس سے حدیث سنی کونسی حدیث میں وہ منفرد رہا کس حدیث میں اس سے وہم ہوگیا ہے۔ اور کس شخص نے اسکی حدیث کو بلحاظ تحقیق شروط صحیح کہا کس نے ضعیف قرار دیا ہے وغیرہ وغیرہ دفتروں کے دفتر لکھ دیئے ہیں و بناءً علیہ ہر ایک حدیث کی نسبت جسکو ائمہ محدثین خصوصاً امامین ہمامین بخاری و مسلم نے صحیح قرار دیا ہے اور عام اہل اسلام نے اسکو صحیح تسلیم کر لیا ہے ظن غالب صحت حاصل ہو جاتا ہے بلکہ ابن صلاح وغیرہ ائمہ حدیث کے نزدیک شیخین کی اتفاقی حدیث جسپر کسی نے کچھ کلام نہیں کیا مفید یقین ہے آپ یقین کو مانیں خواہ نہ مانیں ظن غالب سے تو انکار نہیں کر سکتے کیونکہ اپنی تحریرات میں اسکا اقرار کر چکے ہیں۔

اسپر جو آپنے باستدلال آیت وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً[1] اعتراض کیا ہے وہ بھی آپکے اصول دین سے ناواقفی پر مبنی ہے مہربان من ظن غالب عملیات میں لائق اعتبار ہے اور قرآن مجید کی آیت مذکورہ اور دیگر آیات میں جہاں ظن کے اتباع سے ممانعت وارد ہے اس سے اعتقاد کے متعلق ظن مراد ہے۔ کیا آپکو یہ مسائل معلوم نہیں یا کسی عالم سے نہیں سنے کہ اگر نماز میں بھول ہو جاوے کہ رکعت ایک پڑھی ہے یا دو تو نمازی تحری کرے اور جو ظن غالب ہو اسپر عمل کرے یا اگر وضو کے ٹوٹ جانے میں شک واقع ہو تو ظن غالب پر عمل کرے اسی وجہ سے جملہ علماء اسلام کیا حنفی ہیں یا شافعی اہلحدیث ہیں خواہ اہل فقہ اتفاق ہے کہ خبر واحد صحیح ہو تو واجب العمل ہے حالانکہ خبر واحد ہر ایک کے نزدیک موجب ظن ہے نہ مثبت یقین اسی وجہ سے خاصکر صحیحین کی نسبت علماء اسلام نے جن میں مقلد و مجتہد فقیہ و محدث سب داخل ہیں اتفاق کیا ہے کہ صحیحین کی احادیث واجب العمل ہیں اور امام ابن صلاح نے فرمایا کہ انکی اتفاقی حدیثیں موجب یقین ہیں لہذا انکے مضمون پر اعتقاد بھی واجب ہے اور اکابر ائمہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی قسم کھالے کہ جو احادیث صحیحین میں ہیں وہ صحیح نہ ہوں تو اسکی عورت پر طلاق ہے تو اسکی عورت پر طلاق واقع نہیں ہوتی اور وہ اس قسم میں جھوٹا نہیں ہوتا امام نووی نے شرح مسلم میں فرمایا ہے اتفق العلماء رحمھم اللہ تعالیٰ علی ان اصح الکتب بعد القران العزیز الصحیحان البخاری و مسلم و تلقتھما الامت بالقبول وکتاب البخاری اصحھما صحیحا و اکثرھما فوائد و معارف

[1] النجم : ۲۹

ظاھرۃ وغامضة وقد صح ان مسلماً کان ممن یستفید من البخاری ویعترف بانه لیس له نظیر فی علم الحدیث وھذا الذی ذکرنا من ترجیح کتاب البخاری ھو المذھب المختار الذی قاله الجماھیر واھل الاتقان والحذق والغوص علی اسرار الحدیث۔ شیخ الاسلام حافظ ذہبی نے تاریخ اسلام میں فرمایا ہے اما جامع البخاری الصحیح فاجل کتب الاسلام وافضلھا بعد کتاب اللہ وھو اعلیٰ فی وقتنا یعنی سنة ثالث عشر بعد سبع مائة ومن ثلاثین سنة یفرحون العلماء بعلو سماعه فکیف الیوم فلو رحل شخص لسماعه من الف فرسخ لما ضاعت رحلته۔ قسطلانی نے شرح بخاری میں کہا ہے واما تالیفه یعنی البخاری فانھا سارت مسیر الشمس ودارت فی الدنیا فما جحد فضلھا الا الذی یتخبطه الشیطان من المس واجلھا واعظمھا الجامع الصحیح۔ شیخ حافظ ابن کثیر نے کتاب البدایہ والنہایہ میں فرمایا ہے وکتابه الصحیح یستسقی بقرائته الغمام واجمع علی قبوله وصحته ما فیه اھل الاسلام۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ البالغہ میں فرمایا ہے اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیھما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع وانھما متواتران الی مصنفیھما وانه کل من یھون امرھما فھو مبتدع متبع غیر سبیل المومنین۔ اور صاحب دراسات نے فرمایا ہے وکونھما اصح کتاب فی الصحیح المجرد تحت ادیم السماء وانھما اصح الکتب بعد القرآن العزیز باجماع من علیه التعویل فی ھذا العلم الشریف قاطبة فی کل عصر واجماع کل فقیه مخالف و موافق امام ابن صلاح نے فرمایا ہے وھذا القسم یعنی المتفق علیه مقطوع بصحته والعلم الیقینی النظری واقع به خلافاً لقول من نفی ذلك محتجاً بانه لا یفید الا الظن وانما تلقته الامة بالقبول لانه یجب علیه العمل بالظن والظن قد یخطئ وقد کنت امیل الی ھذا واحسبه قویاً ثم بان لی ان المذھب الذی اخترناه اولاً ھو الصحیح لان الظن من ھو معصوماً من الخطاء لا یخطئ والامة فی اجماعھا معصومة من الخطاء لھذا کان الاجماع المبنی علی الاجتھاد حجة مقطوعة بھا واکثر اجماعات العلماء کذالك۔ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا ہے قد قال امام الحرمین لو حلف انسان بطلاق امرأته ان ما فی کتابی البخاری ومسلم مما حکما بصحته من قول النبی صلعم لما الزمته الطلاق ولا حنثته لاجماع علماء المسلمین علی صحتھما۔[1]

[1] مولوی صاحب کو عجلت اور شدت طیش وغضب شاید فرصت نہیں لینے دیتی کہ وہ اپنے بیانات کے تناقض پر غور کریں اور سوچیں کہ جو الزام وہ اپنے حریف پر لگاتے ہیں وہ خود انہیں پر لگتا ہے۔ آپ جابجا شکایت کرتے ہیں کہ

اس مضمون کے اقوال بکثرت موجود ہیں جنکی نقل سے تطویل ہوتی ہے اسکے مقابلہ میں آپکا یہ کہنا کہ بندرہ کروڑ حنفی صحیح بخاری کو
نہیں مانتے۔ یہ محض ایک عامیانہ بات ہے، عامی لوگ جنکی تعداد مردم شماری کے کاغذات سے آپنے بتائی ہے۔ بخاری کو نہ
مانتے ہوں تو اس کا اعتبار نہیں ہے عالم حنفی تو صحیح بخاری کی صحت سے انکار نہیں کرتے۔ آپ اس دعوے میں سچے ہیں تو کم سے
کم ایک عالم کا متقدمین یا متاخرین سے نام بتادیں جس نے صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی احادیث کو غیر صحیح یا موضوع کہا ہو اور
آپکا یہ کہنا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث صحیح بخاری کو انپر اطلاع پاکر چھوڑ دیا۔ یہ بھی ایک عامیانہ بات ہے
آپ یہ نہیں جانتے کہ امام اعظم صاحب کب ہوئے اور صحیح بخاری کب لکھی گئی۔ مہربان من امام اعظم صاحب ڈیڑھ سو
سنہ ہجرت میں انتقال کرکے داخل فردوس ہوئے۔ اور صحیح بخاری دوسو سنہ کے بعد تالیف ہوئی۔ بلکہ صحیح بخاری امام
صاحب کے وقت میں تالیف ہوتی تو امام اعظم صاحب اسکو آنکھ پر رکھ لیتے۔ امام شعرانی میزان کبریٰ کے صفحہ ۲۷ وغیرہ
میں فرماتے ہیں اعتقادنا و اعتقاد کل منصف فی الامام ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ بقرینۃ ما

بقیہ حاشیہ	مرزا صاحب غیر ضروری طویل بیانات اور نقل آیات سے مضمون کو بڑھاتے ہیں حالانکہ خود بیجا اور بے محل صحیحین خصوصاً صحیح بخاری کی مدح پر خامہ فرسائی کی ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ اپنے عوام ہمخیالوں کو دھوکا دینے کی راہ نکالیں اور انہیں اشتعال دلائیں کہ مرزا صاحب صحیح بخاری کو نہیں مانتے۔ سنئے مولویصاحب! آپنے خود صحیحین کی قرار دادہ حدیث پر بلحاظ صحت ظن غالب کا لفظ اطلاق کیا ہے اور بس۔ حضرت مرزا صاحب بھی اسی کے قائل ہیں چنانچہ مضمون ملا میں جو آخری اور قطعی مضمون ہے فرماتے ہیں "اور ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ ہم ظن غالب کے طور پر بخاری اور مسلم کو صحیح سمجھتے ہیں"۔ اب فرمائیے نزاع کس بات کی ہے؟ فیصلہ شد
حاشیہ ك	مولوی صاحب شدت بغض کیوجہ سے وھو علیھم عمیٰ کا مصداق ہو رہے ہیں! افسوس آنکھیں کھلی ہیں پر دیکھتے نہیں۔ کہاں مرزا صاحب نے بخاری کو امام صاحب کا معاصر یا اُن سے مقدم بیان کیا ہے جس سے مستنبط ہو سکتا ہے کہ انکی جامع امام صاحب کے وقت موجود تھی! ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حدیثیں جو مجموعی طور پر جامع بخاری میں مدون ہیں متفرق طور پر امام صاحب کے عصر میں اور ان سے قبل بھی موجود تھیں اور یہ کہنا صحیح ہے۔ کوئی منصف مولوی صاحب سے پوچھے (ہمیں امید ہے کہ پوچھنے والے ضرور پوچھینگے کیونکہ مولوی صاحب کی ہمہ دانی کا پردہ تو اب اور اس میدان میں پھٹا ہے۔ آگے تو اس گلستان والے بدرقہ کی طرح گھر کی چار دیواری میں پہلوان بنے بیٹھے تھے) کہ اتنی دراز نفسی آپکی کس مصرف کی ہے؟ جب اصل بناء ہی خام ہے تو اسپر جو متفرع ہوا سب ہی نکما اور فضول ٹھہرا یہ نکتہ چینی مرزا صاحب کے کس بیان کے متعلق ہے؟ فافہم۔ ایڈیٹر۔

رویناانفاعنہ من ذم الرای والتبری منہ ومن تقدیمہ النص علی القیاس انہ لوعاش حتے دونت احادیث الشریعت بعد رحیل الحفاظ فی جمعھا من البلاد والثغور والظفر بھا لاخذ بھا وترک کل قیاس کان قاسہ وکان القیاس قل فی مذھبہ کما قل فی مذھب غیرہ بالنسبت الیہ لکن لما کانت ادلۃ الشریعت مفرقۃ فی عصرہ مع التابعین وتابع التابعین فی المدائن والقری والثغور کثر القیاس فی مذھبہ بالنسبت الی غیرہ من الائمۃ ضرورۃ لعدم وجود النص فی تلک المسائل حتی قاس فیھا بخلاف غیرہ من الائمۃ فان الحفاظ قد رحلوا فی طلب الاحادیث وجمعھا فی عصرھم من المدائن والقری ودونوھا فجاوبت احادیث الشریعت بعضھا بعضاً فھذا کان سبب کثرۃ القیاس فی مذھبہ وقلتہ فی مذاھب غیرہ۔ انتہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ کتب احادیث امام ابوحنیفہ کے بعد تالیف ہوئیں۔ امام صاحب ان احادیث کو پاتے تو ضرور قبول فرماتے۔ اور اس سے پہلے ایک جگہ فرماتے ہیں فلو ان الامام اباحنیفہ ظفر بحدیث من مس فرجہ فلیتوضا لاخذ بھا۔ واضح رہے کہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے بلکہ اس سے کم مرتبہ کتب سنن میں ہے۔ اس تحقیق سے آپکو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اہل حدیث کا صحیحین کو بلا وقفہ ونظر واجب العمل سمجھنا تقلید بے دلیل نہیں ہے بلکہ اس میں ان دلائل و اصول کا اتباع ہے جو تصحیح حدیث میں مرعی رکھے گئے ہیں اجماع مخالفین وموافقین جسکو مخالف وموافق نقل کرتے ہیں ان احادیث کی صحت پر بڑی روشن دلیل ہے آپ اجماع کے لفظ سے گھبراتے ہیں تو اسکی تلقی وتداول امت کو جو تعامل و توارث کا ہموزن ہے قبول کریں اور یقین کے ساتھ مان لیں کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم پر جملہ فرقہائے اہل سنت کا عمل و استدلال چلا آیا ہے اسپر جو آپ کا یہ سوال ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم مسلمانوں میں اتفاق کے ساتھ مسلّم چلے آئے ہیں تو بعض علماء حنفیہ وغیرہ نے ان احادیث کا خلاف کیوں کیا اور سبھی نے ان کے مطابق کوئی مذہب کیوں اختیار نہ کرلیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خلاف فہم معانی میں اختلاف پر مبنی ہے یا بعض وجوہات ترجیح پر آپ کتب اصول وفروع اسلام میں نظر نہیں رکھتے آپ فتح القدیر کو جو حنفی مذہب کی مشہور کتاب ہے یا برہان شرح مواہب الرحمٰن کو جو عرب و عجم میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ ایک دو روز مطالعہ کرکے دیکھیں کہ ان میں کس عزت و ادب کے ساتھ صحیحین کی حدیثوں سے استدلال کیا گیا ہے اور جس حدیث سے اختلاف کیا ہے اس کو ضعیف سمجھکر اختلاف کیا ہے؟ یا اس کے معانی میں اختلاف کرکے یا اور وجوہات خارجیہ سے دوسری احادیث کو ترجیح دیکر اختلاف کیا ہے؟

آپ فرماتے ہیں کہ احادیث پرکھنے کیلئے قرآن کریم سے بڑھکر ہمارے پاس کوئی معیار نہیں۔ محدثین نے گو

معیار صحت قوانین روایت کو ٹھہرایا ہی مگر انہوں نے اسکو کامل معیار نہیں کہا اور نہ قرآن کریم سے مستغنی کرنے والا بتایا ہی اور اس دعویٰ کی تائید میں متعدد تحریروں میں متعدد آیات کو ذکر کیا ہی جن میں قرآن مجید کے محامد علیہ و فواصل سنیہ مسلمہ اہل اسلام کا ذکر ہے۔

مہربان من محدثین کیا کوئی محقق مسلمان حنفی یا شافعی مقلد یا غیر مقلد تصحیح روایات حدیثیہ کا معیار قرآن کریم کو نہیں ٹھہراتا اور یہ نہیں کہتا کہ جب کسی حدیث کی صحت پر کھنی ہو تو اسکو قرآن کریم کی موافقت یا مخالفت سے صحیح یا غیر صحیح قرار دیں بلکہ معیار تصحیح وہ قوانین روایت ٹھہراتے ہیں کہ از انجملہ کسی قدر بیان ہو چکے ہیں۔ اسکی وجہ معاذ اللہ ثم عیاذاً باللہ یہ نہیں کہ قرآن مجید مسلمانوں کا حکم و مہیمن نہیں یا وہ امام حبل المتین نہیں کوئی مسلمان جو قرآن پر اعتقاد رکھتا ہی یہ نہیں سمجھتا۔ اور اگر کوئی ایسا سمجھے تو وہ سخت کافر ہی ابوجہل کا بڑا بھائی نہ چھوٹا کیونکہ ابوجہل نے تو قرآن مجید کو تسلیم ہی نہیں کیا تھا یہ کافر قرآن پر ایمان لاکر اسکو اپنا امام نہیں بناتا اور حکم نہیں سمجھتا۔ ایسا شخص درحقیقت قرآن پر ایمان نہیں رکھتا اگرچہ بظاہر مدعی ایمان ہو[1]۔ آپنے ناحق و بلاضرورت ان آیات قرآنیہ کو ہمارے سوال کے جواب میں پیش کیا جن میں قرآن مجید کے یہ محامد علیہ وارد ہیں۔ اور انکے بے ضرورت نقل و بیان سے اپنی اور ہماری اوقات کا خون کیا بلکہ توافق قرآن کو معیار صحت نہ ٹھہرانے اور اس باب میں اصول روایات کی طرف رجوع کرنے کے دو وجہ ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ جو احادیث ان اصول روایت سے صحیح ہو چکی ہوں وہ خود بخود قرآن مجید کے موافق ہوتی ہیں اور ہرگز ہرگز وہ قرآن کے مخالف نہیں ہوتیں قرآن امام ہی اور وہ احادیث خادم قرآن اور اسکی وجوہات کے مفسر و مبین اور ان وجوہات معانی قرآن کے جو کم فہم و قاصر الفکر لوگوں کے خیال میں متعارض معلوم ہوتی ہیں فیصلہ کرنیوالی ہیں جس حالت میں ایک حدیث صحیح دوسری حدیث صحیح کے مخالف نہیں ہوتی اور انکی باہم تطبیق ممکن ہی۔ چنانچہ امام الائمہ ابن خزیمہ سی منقول ہی لا اعرف انه روی عن النبی صلعم حدیثان باسنادین صحیحین متضادین فمن کان عنده فلیاتینی به لأولف بینهما۔ تو پھر کسی حدیث صحیح کا مخالف قرآن ہونا کیونکر ممکن ہے۔ جو شخص کسی حدیث صحیح کو قرآن کے مخالف سمجھتا ہی وہ نافہم ہی اور اپنی نافہمی سے حدیث کو مخالف قرآن قرار دیتا ہی محققین اسلام و محدثین و فقہا ایسے نہیں ہیں کہ صحیح حدیث کو مخالف قرآن سمجھیں۔ اسلئے ان کو تصحیح حدیث کے لئے اس امر کی ضرورت نہیں ہی کہ موافقت یا مخالفت قرآن سی اس کا امتحان کریں یہی وجہ ہے

[1] مولوی صاحب کے اس ایمان بالقرآن پر ٹھیک وہی پنجابی مثل صادق آتی ہی "پنچاں دا آکھیا سر متھے تے پر پرنالہ اساں اوتھے ای رکھناں اے"

اس زبانی ایمان سی کیا فائدہ جبکہ عملدرآمد اسکے برخلاف ہے۔ سبحان اللہ! بیشک قریب قیامت کا زمانہ ہے اور ضرور تھا

کہ علماء اسلام قاطبتہً حدیث کی صحت قوانین روایت سے ثابت کرتے ہیں اور بعد تسلیم صحت وحصول فراغ از تصفیہ صحت اس حدیث کے قرآن سے تطبیق کرتے ہیں وہ بھی ایسے طور پر کہ امام قرآن ہی رہے اور احادیث اس کی خادم ومفسر ومترجم وفیصلہ کنندہ وجوہ اختلاف در نظر اشخاص قاصر الانظار رہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صرف توافق مضمون کسی حدیث کا اسکی صحت کا موجب ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ موضوع حدیثیں اگر انکے مضامین صادق اور قرآن کے مطابق ہوں صحیح متصور ہوں جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں اسکے مقابلہ میں جو آپنے کہا ہے کہ قرآن خود اپنا مفسر ہے حدیث اسکی مفسر نہیں ہوسکتی اس سے بھی آپکی ناواقفیت اصول مسائل اسلام سے ثابت ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے خود حدیث کو اپنا خادم مفسر قرار دیا ہے خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض احکام ایسے طور پر بیان کئے ہیں کہ وہ بلا تفصیل صاحب حدیث صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی مسلمان مخاطب قرآن کی سمجھ میں نہ آتی اور نہ وہ دستور العمل ٹھہرائی جاسکتی ایک حکم نماز ہی کو لو قرآن میں اسکی نسبت صرف یہ ارشاد ہے۔ اقیموا الصلوٰة اور کہیں اسکی تفسیر نہیں ہے کہ نماز کیونکر قائم کی جائے صاحب الحدیث آنحضرت صلعم (بابی ھو وامی) نے قولی وفعلی حدیثوں سے بتایا کہ نماز یوں پڑھی جاتی ہے تو وہ حکم قرآن سمجھ وعمل میں آیا۔ آپ کہیں گے کہ یہ کیفیت نماز تعامل سے ثابت ہے اس پر سوال کیا جائیگا کہ تعامل کب سے شروع ہوا اور جس طریق پر تعامل ہوا وہ طریق کس نے بتایا۔

اشاعۃ السنۃ

کہ مسیح موعود اسوقت آتا۔ قرآن کے نام سے چڑ اور ضد پیدا ہوتی ہے وہ جو دوسروں کو قدم قدم پر بیباکی سے مشرک کہتے تھے اب خود شرک بالقرآن کی مرض میں مبتلا ہوگئے ہیں حق تو یہ تھا اور ادب کی غایت یہ تھی کہ اس جملہ کو سنکر کہ قرآن معیار احادیث کی صحت کا ہے" تادب قرآن کی نظر سے توقف کرتے کونسی چیز انہیں ستاتی ہے کونسی پیش بندی انکی بغلوں میں گدگدی کرتی ہے کہ وہ انسانی ہاتھوں کی فرسودہ اور غیر معصوم کتابوں کی حمایت کی خاطر کلام اللہ شریف کے پیچھے پنجے جھاڑ کر پڑ گئے ہیں۔ واویلا! وا مصیبتا! تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدا[1]۔ اب عامہ مقلدہ کی کیا شکایت ہے جو کہا کرتے ہیں کہ قرآن کے معنے کرنے اور صرف قرآن پر چلنے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ اے مولویصاحب کاش آپ مینڈک کی طرح کنوئیں سے باہر نکل کر دنیا کے جدیدہ علوم اور مذاہب عالم اور انکے اسلام پر اعتراضات سے واقف ہوتے تو آپکو معلوم ہوتا کہ آپ اس اصول سے جو قرآن کو حدیث سے موخر کر رہے ہیں کیسی خرابی اسلام میں پیدا کر رہے ہیں اور اسلام کو لاجواب اعتراضات کا مورد بنا رہے ہیں حضرت وہ قرآن کریم ہے جسے ہاتھ میں لیکر ہم مذاہب باطلہ عالم کا مقابلہ کرسکتے ہیں نادان دوستوں سے خدا بچائے۔ (ایڈیٹر)

[1] مریم : ۹۱

اسکے جواب میں اخیر یہی کہو گے کہ حدیث یا صاحب حدیث نے۔ دُوسرا یہ سوال کہ وہ تعامل کن کن صورتوں پر ہوا ہے اتفاقی پر یا اختلافی پر صرف اتفاقی صورتوں میں اسکو منحصر کرو گے تو آپ کو نماز پڑھنا مشکل ہوجائیگا اختلافی صورتوں پر تعامل کا دعوی کرو گے تو اختلاف موجب تساقط ہوگا یا آخر اس اختلاف کا تصفیہ احادیث صحیحہ سے ہوگا جو آپس میں متوافق ہوسکتی ہیں۔ اب ہم ایک دو ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن میں آپکو تعامل کا اشتباہ نہ ہو قرآن کریم نے حرام جانوروں کو (جیسے خنزیر منخنقہ وغیرہ) حرام فرماکر انکے ماسوا جانوروں کو حلال کر دیا ہے۔ آیت قل لا اجد فیما اوحی الی محرمًا علیٰ طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او دمًا مسفوحًا الآیۃ[1] هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا[2] ملاحظہ ہوں۔

اور بعض جانوروں کی حرمت کا بیان اپنے خادم حدیث یا صاحب الحدیث صلعم کے حوالہ کر دیا۔ و بناءً علیہ اس نے ظاہر کر دیا کہ علاوہ ان جانوروں کے جنکی حرمت کا بیان قرآن میں ہے گدھا اور درندے حرام ہیں اب فرمائیے اس حکم گدھے اور درندوں کی حرمت کی تفسیر قرآن کریم نے خود کہاں فرمائی ہے اسپر وقوع تعامل کا بھی آپ دعویٰ نہیں کرسکتے گدھے وغیرہ درندوں کی حرمت کا اعتقاد یا اسکے استعمال کا ترک کوئی عمل نہیں ہے جسپر تعامل کا ادعا ہوسکے حدیث کو یہ خدمت تفسیر و فیصلہ وجوہات قرآن کریم نے خود عطا فرمائی ہے اور صاحب الحدیث صلعم نے بھی اپنے کلام میں جسکو حدیث کہا جاتا ہے اس خدمت کے عطا ہونے کا اظہار کیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا[3]۔ اس مضمون کی آیات قرآن میں اور بہت ہیں۔ مگر ہم آپ کی طرح ان سب کو شمار کرکے تطویل کلام نہیں کرنا چاہتے[*]۔ یعنی اے مسلمانو! جو کچھ

ریویو

[*] مولوی صاحب آیتیں نہیں لکھتے تطویل کلام سے ڈرتے ہیں مگر حدیثیں اتنی گن دی ہیں اور انپر تفریعات اسقدر کی ہیں کہ مبصر اور کلام مرمحل کا شیفتہ ملول ہوجاتا ہے۔ اللہ اللہ! من ضحك ضحك خدا جانے ہمارے شیخصاحب کی دانش کو کیا ہوگیا ہے کوئی ان سے پوچھے اسقدر نقل اقوال سے آپکا مدعا کیا ہے یہ سب حدیثیں تعامل کے سلسلہ کی نہیں ہیں اور یہ سب اقوال مرزا صاحب کی تقسیم احادیث کی مؤید نہیں؟ مولویصاحب آپکا سرمایہ علمی یہی نقل اقوال ہے اگر اقوال آپکے مضمون سے کوئی نکال لے تو غالبًا آپکا طبعزاد اصلی مضمون چند سطریں رہجاوے۔ فضول گوئی سے باز آئیے اور سچے ولی اللہ کے حضور میں (جسے آپ بصدق دل مان چکے ہیں) زانوئے استفاضہ و استفادہ ٹیک کر بیٹھئے۔ انصاف سے دیکھیے کیا وسیع مضمون لکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم و تفہیم سے لکھا ہے نہ یہ کہ زید و عمر کی کتابوں اور بہمان و فلاں کے اقوال سے اپنے مضمون کو بیقدر کیا ہو اس مجدد کا سرمایہ اور گل سرسبد فرقان حمید اور قرآن مجید ہے وہ اسی سے لیتا ہے اور اسی سے لیکر دیتا ہے وہ ان عملوں کو جنپر آپ ایسے لوگوں کو ناز ہے اور جنکا دوسرا نام نقل اقوال علماء ہے حقارت سے دیکھتا ہے اور فرماتا ہے "علم آں بود کہ نور فراست رفیق اوست ؎ ایں علم تیرہ را بہ پشیزے نمے خرم۔ ایڈیٹر۔

[1] الانعام : ۱۴۶ [2] البقرہ : ۳۰ [3] الحشر : ۸

رسُول صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دے۔ قرآن ہو خواہ وحی۔ غیر متلو حدیث وہ لے لو اور جس سے روکے یعنی جو حکم کسی چیز کے عدم استعمال کی نسبت دے گو وہ حکم قرآن میں نہ ہو اس سے رک جاؤ۔ اس ارشاد قرآن کی ہدایت وشہادت سے حضرت ابن مسعود نے وشم (جسم کو گودنے) پر لعنت کے وعید کو جو صرف حدیث میں وارد ہے۔ قرآن میں داخل قرار دیا۔ اس پر ایک عورت ام یعقوب نے اعتراض کیا کہ یہ پُر لعنت قرآن کریم میں کہیں نہیں ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ جس حالت میں لعنت حدیث میں وارد ہے تو بحکم آیت وما اتاکم الرسول فخذ وہ یہ قرآن کریم میں وارد ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے۔ عن عبد اللہ قال لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات و المتفلجات للحسن المغیرات لخلق اللہ قال فبلغ ذٰلك امراة من بني اسد يقال لها ام یعقوب وکانت تقرأ القرأن فاتته فقالت ماحدیث بلغنی عنك انك لعنت الواشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات لخلق اللہ۔ فقال عبد اللہ ومالی لا العن من لعن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وھو فی کتاب اللہ عز وجل فقالت امراة لقد قرات مابین لوحی المصحف فما وجدته فقال لئن کنت قراته لقد وجدته قال اللہ عز وجل ما اتاکم الرسول فخذ وہ ومانھاکم عنه فانتھوا۔ جناب صاحب الحدیث صلعم نے اسی ارشاد قرآنی کے موافق ارشاد کیا ہے وعن المقداد ابن معدیکرب قال قال رسول اللہ صلعم الا انی اوتیت القرأن ومثله معه الا یوشك رجل شبعان علی اریکة یقول علیکم بھٰذا القرأن فما وجدتم فیه من حلالٍ فاحلوہ وما وجدتم فیه من حرام فحرموہ و انما حرّم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کما حرم اللہ الا لا یحل لکم الحمار الاھلی ولا کل ذی ناب من السباع ولا یقطة معاھد الا ان یستغنی عنھا صاحبھا ومن نزل بقوم فعلیھم ان یقروہ فان لم یقروہ فله ان یعقبھم بمثل قراہ رواہ ابوداؤد طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے فی ھذا الحدیث توبیخ وتقریع ینشأ من غضب عظیم علی من ترك السنة وما عمل بالحدیث استغناً عنھا بالکتب۔ اس حدیث کو دارمی نے بھی نقل کیا ہے اور اس سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے السنة قاضیة علی کتاب اللہ یعنے حدیث ان وجوہات اختلافات قرآن کا فیصلہ کرنے والی ہے جو کتاب کے معانی مختلف سی لوگوں کے خیال میں آتے ہیں پھر امام یحیٰ بن ابی کثیر سے نقل کیا ہے قال السنة قاضیة علی القرأن ولیس القرأن بقاضٍ علے السنة۔ یعنی حدیث قرآن کے وجوہات اختلافات کا فیصلہ کرنیوالی ہے اور قرآن ایسا نہیں کرتا کہ وہ حدیث کے وجوہ اختلاف کا فیصلہ کرے یعنے اسلئے کہ خدمت خادم کا کام ہے نہ مخدوم کا۔ اور دارمی نے حسان رض

سے نقل کیا ہے۔ قال کان جبرئیل ینزل علی النبی صلعم بالسنت کما ینزل علیہ بالقرآن۔ یعنی حضرت جبرئیل جیسا کہ آنحضرت صلعم پر قرآن اتارتے ویسے ہی حدیث اور سعید بن جبیرؓ سے نقل کیا ہے انہ حدّث یوما بحدیث عن النبی صلعم فقال رجل فی کتاب اللہ ما یخالف ھذا قال لا ارانی احدثك عن رسول اللہ صلعم وتعرض فیہ بکتاب اللہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم بکتاب اللہ منك۔

امام شعرانی نے منہج المبین میں کہا ہے اجتمعت الامت علی ان السنۃ قاضیۃ علی کتاب اللہ۔ ان ہدایات قرآنی واقوال نبوی وآثار سلف کے مقابلہ جو حدیث آپ نے تفسیر حسینی سے نقل کی ہے وہ قابل اعتبار نہیں ہے وہ حدیث زندیقوں یعنے چھپے۔۔۔ مُرتدوں کی بنائی ہوئی ہے اور اگر اس حدیث کو لبطور فرض محال صحیح فرض کرلیا جائے تو وہ خود اپنے مضمون کے مکذب ومبطل ہے۔ ہم اس حدیث کے روسے پہلے اسی کو قرآن پر پیش کرتے ہیں تو بحکم آیت وما اتاکم الرسول وغیرہ اس کو موضوع پاتے ہیں یہ بات میں صرف اپنی رائے سے نہیں کہتا بلکہ ائمہ محدثین وفقہا اصولیین کی کتابوں میں پاتا ہوں۔

کتاب تلویح میں ہے وقد طعن فیہ المحدثون بان فی روایۃ یزید بن ربیعۃ وھو مجھول۔ وترك فی اسنادہ واسطۃ بین الاسعث وثوبان فیکون منقطعا۔ وذکر یحیی بن معین انہ حدیث وضعتہ الزنادقۃ۔ مولانا بحر العلوم نے شرح مسلم الثبوت میں فرمایا ہے قال صاحب سفر السعادت انہ من اشد الموضوعات۔ قال الشیخ بن حجر العسقلانی قد جاء بطرق لا تخلو عن المقال وقال بعضھم قد وضعتہ الزنادقۃ وایضا ھو مخالف لقولہ تعالیٰ ما اتاکم الرسول فخذوہ فصحت ھذا الحدیث لیستلزم وضعہ وردہ فھو ضعیف مردود۔

ابن طاہر حنفی صاحب مجمع البحار تذکرہ میں فرماتے ہیں وما اوردہ الاصولیون فی قولہ اذا روی عنی حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ فان وافقہ فاقبلوہ وان خالفہ ردوہ قال الخطابی وضعتہ الزنادقۃ ویدفعہ حدیث انی اوتیت الکتٰب ومایعدلہ ویروی ومثلہ وکذا قال الصغانی وھو کما قال انتھٰے۔ قاضی محمد بن علی الشوکانی فوائد مجموعہ میں فرماتے ہیں۔ حدیث اذا روی عنی حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ فاذا وافقہ فاقبلوہ وان خالفہ فردوہ۔ قال الخطابی وضعتہ الزنادقۃ ویدفعہ انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ وکذا قال الصغانی قلت وقد سبقھما الی نسبتہ الی الزنادقۃ ابن

معین کماحکاہ الذہبی علی ان فی ھذا الحدیث الموضوع نفسہ مایدل علی ردہ لانا اذا عرضناہ علی کتاب اللہ خالفہ ففی کتاب اللہ عزوجل ما اتاکم الرسول فخذوہ ومانہاکم عنہ فانتہوا ونحوہ من الآیات انتہٰی۔ اور جو حدیث حارث اعور آپنے پیش کی ہے وہ بھی اوّلاً صحیح نہیں جس کتاب مشکوٰۃ سے آپنے وہ حدیث نقل کی ہے اس میں اس کا جرح موجود ہے جس کو آپ نے سرقہ و خیانت سے نقل نہیں کیا اس میں منقول ہے قال الترمذی ھذا حدیث اسنادہ مجہول و فی الحارث مقال۔ ایسا ہی تقریب التہذیب میں حارث اعور کو مجہول کہا ہے اور اس حارث کا حال ہم کتب اسماء الرجال سے بہ تفصیل نقل کریں تو ایک دفتر ہو جائے۔ یہ اعور بھی ایک دجال تھا اور اگر بطور فرض محال اس حدیث کو صحیح تسلیم کرلیں تو اسکے وہ معنی نہیں جو آپنے بطور تحریف کئے ہیں بلکہ اسکے معنے یہ ہیں کہ لوگ دلائل شرعیہ یعنی قرآن و حدیث کو چھوڑ کر محض رائے والی باتوں میں خوض کریں تو اس فتنہ سے نجات قرآن سے متصور ہے اور احادیث و آثار سابقہ سے ظاہر ہو چکا ہے کہ حدیث بھی مثل قرآن ہے۔ بناءً علیہ اس حدیث کے یہ معنے ہونگے کہ اس فتنہ سے نجات قرآن و حدیث دونوں کی اتباع سے متصور ہے نہ یہ کہ حدیث نبوی فتنہ ہے اور اس سے نجات مطلوب ہے۔ آپنے اس حدیث کے ترجمہ میں لفظ احادیث کا ترجمہ لفظ حدیثوں سے کیا اور مسلمانوں کو پورا دھوکہ دیا۔ رُوئے زمین میں ایسا کوئی مسلمان نہ ہوگا جو اس کلام میں احادیث سے نبوی حدیثیں مراد لیتا ہو۔ یہاں احادیث سے لوگوں کی باتیں مراد ہیں جو اسکے لغوی معنے ہیں۔ اور بہت سی احادیث نبویہ میں یہ لغوی معنے پائے جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے ایاک والظن فان الظن اکذب الحدیث۔ ایک حدیث میں ذکر ہے کفا بالمرء کذبًا ان یحدث بکل ما سمع۔ یہاں بھی حدیث سے بات کرنا مراد ہے جس حدیث میں بوقت قضاء حاجت دو شخصوں کی آپس میں باتیں کرنے سے ممانعت وارد ہے اس حدیث میں بھی لفظ یتحدثان بولا گیا ہے۔ کیا ان سب احادیث میں حدیث سے حدیث نبوی کی تحدیث مراد ہے۔ ہرگز نہیں۔ آپنے اس حدیث اعور کے معنے میں تحریف کرنے کے وقت یہ غور نہ کیا کہ حدیث کے لغوی معنے کیا ہیں یا کہ دیدہ دانستہ لوگوں کو دھوکہ دیا۔ حضرت عمرؓ کے قول حسبنا کتاب اللہ سے جو آپنے تمسک کیا ہے اس سے یہ مقصود نہیں کہ احادیث صحیحہ مسلّمہ المصححۃ والثبوت کو چھوڑ کر کتاب اللہ کو کافی سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ جہاں ہمارے پاس سنت صحیحہ نبویہ سے کوئی تفصیل نہ ہو وہاں قرآن کریم کو کافی سمجھیں گے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ امر ناممکن ہے کہ قرآن کریم میں اس کا بیان کافی نہ ہوا ہو۔ قرآن میں اس کا بیان نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ضرور اس کی تفصیل پائی جاتی۔ اسپر روشن دلیل جس سے کوئی مسلمان انکار نہ کرے یہ ہے

کہ حضرت عمر فاروق نے اپنی تمام عمر میں اپنے سے چھوٹے رتبہ کے لوگوں کی روایات کو قبول کیا ہے اور ان روایات سے مستغنی ہو کر عمل کتاب اللہ کو کافی نہیں سمجھا اس کی تفصیل ہمارے ضمیمہ جات ۱۸۷۸ء سے بخوبی ہو چکی، اس مقام میں اس کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) قرآن مجید سی بیٹی کی وراثت کا یہ حکم بیان ہوا ہی کہ کسی شخص کی ایک بیٹی ہو تو وہ نصف مال کی وارث ہے اس حکم قرآنی کے مفسر یا یوں کہیں کہ مخصص آنحضرت کی یہ احادیث ہیں گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا جس کے دستاویز سے حضرت صدیق اکبر نے حضرت فاطمہ زہرا کو آنحضرت کے خالص مال سے ورثہ نہ دیا۔ باوجودیکہ انہوں نے مطالبہ بھی کیا اور آنحضرت صلعم نے بیٹی بیٹے وغیرہ وارثوں کو اس حالت میں محروم الارث ٹھہرایا ہے جبکہ وہ اپنے مورث کو قتل کر دیں یا وارث و مورث کے مذہب میں اختلاف ہو جاوے حضرت عمر فاروق نے ان احادیث کو قبول فرمایا اور ان پر عمل کیا۔ اور ان احادیث سے مستغنی ہو کر آیت میراث کے عمل پر اکتفا نہ کیا۔

(۲) قرآن مجید میں ان عورتوں کو جن کا نکاح مرد پر حرام ہے شمار کر کے فرمایا ہے احل لکم ما وراء ذٰلکم[1] یعنے ان عورتوں کے سوا جن کا حکم حرمت نکاح قرآن میں بیان ہوا ہے سب عورتیں تم پر حلال ہیں۔ اس حکم قرآن کی تفسیر یا یوں کہیں کہ تخصیص میں آنحضرت کا یہ ارشاد ہی کہ جورو کی خالہ اور پھوپھی جورو کے نکاح میں ہونے کی حالت میں نکاح میں نہ لائی جاوے چنانچہ فرمایا ہے لا تنکح المراۃ علی عمتہا و لا خالتہا آنحضرت کے جملہ اصحاب نے جن میں حضرت عمر رضہ بھی داخل و شامل ہیں اس حدیث نبوی کو قبول فرمایا ہے اور اس کو مخالف قرآن سمجھکر اس کے عمل سے استغنا اور عمل قرآن پر اکتفا نہیں کیا۔

فاضل قندھاری نے کتاب منتہم الحصول میں کہا ہے ان الصحابۃ خصصوا واحل لکم ما وراء ذالکم بلا تنکح المراۃ علی عمتہا و لا علی خالتہا و بوصیکم اللہ فی اولادکم و لا یرث القاتل و لا یتوارثان اہل الملتین و نحن معشر الانبیاء لا نرث و لا نورث۔

(۳) حضرت عمر فاروق نے ایک بادیہ نشین راوی کی اس حدیث کو قبول فرمایا جس میں بیان ہی کہ آنحضرت صلعم نے ایک عورت کو اسکے خاوند کی دیت کا وارث کیا باوجودیکہ قرآن مجید اس عورت کو دیت کا وارث نہیں بناتا کیونکہ وہ دیت بعد موت شوہر کا مال ہوتا ہے اور عورت بعد موت شوہر اس کی عورت نہیں رہتی و بناءً علیہ حضرت عمر فاروق کی رائے یہ تھی کہ وہ عورت اس مال سی وراثت کی مستحق نہیں مگر جب آپکو حدیث مذکور معلوم ہوئی تو اپنی رائے کو چھوڑ دیا۔ اور حدیث کو قبول فرمایا۔ کان عمر بن الخطاب یقول الدیۃ علی العاقلۃ و لا ترث المراۃ من دیتہ زوجہا شیئاً حتی قال لہ الضحاک بن سفیان

[1] النساء : ۲۵

کتب الی رسول اللہ صلعم ان ورث امرأۃ اشیم الضبابی من دیتہ زوجھا فرجع عمر رواہ الترمذی وابوداؤد۔

(۴) دیت جنین کی حدیث کو دو شخصوں کی روایت و شہادت سے آپ نے قبول کیا اور اس بات میں قرآن کریم کے حکم قصاص پر اکتفا نہ فرمایا۔ عن ھشام عن ابیہ ان عمر بن الخطاب نشد الناس من سمع النبیؐ قضی فی السقط فقال المغیرۃ انا سمعتہ قضی فی السقط بغرۃ عبد او امۃ قال ائت من یشھد معک علیٰ ھذا فقال محمد بن مسلمۃ انا اشھد علی النبی صلعم بمثل ھذا رواہ البخاری ص۱۰۲۰۔

وزاد ابوداؤد فقال عمر بن الخطاب اللہ اکبر لولم اسمع بھذا لقضینا بغیر ھذا۔

(۵) سب ہی انگلیوں کے خون بہا کے برابر ہونے کی حدیث آپ نے قبول فرمائی باوجودیکہ آپ کی رائے اس میں یہ تھی کہ چھوٹی انگلی اور اسکے ساتھ والی کی دیت ۹ اونٹ ہونا چاہیئے۔ بیچ والی اور اسکے ساتھ والی سبابہ کے بارہ ۱۲ اونٹ۔ انگوٹھے کے پندرہ ۱۵ اونٹ جو بظاہر انکی مختلف قوتوں اور مقداروں کی نظر سے انصاف و عدل معلوم ہوتی ہے جس کا قرآن میں حکم ہے مگر آپ نے حدیث سنی تو قبول فرمائی اور قرآن سے اسکے مطابق کرنے کی کچھ پرواہ نہ کی صحیح بخاری ص۱۰۱۶ میں ہے۔ عن النبی صلعم قال ھذہ وھذہ یعنی الخنصر والابھام سواء اور مسلم الثبوت کی شرح فواتح الرحموت میں ہے وترک عمر رائہ فی دیت اصابع وکان رائہ فی الخنصر والبنصر تسعًا وفی الوسطیٰ وفی المسبحۃ اثنا عشر وفی الابھام خمسۃ عشر کل ذٰلک فی التیسیر قال الشارح وکذا ذکر غیرہ والذی فی روایتہ البیہقی انہ کان یری فی المسبحۃ اثنا عشر وفی الوسطیٰ ثلث عشر بخبر عمر بن حزم فی کل اصبع عشر من الابل۔ اس مضمون کی اور بہت مثالیں ہیں۔ مگر ہم آپکی طرح تطویل پسند نہیں کرتے ان امثلہ کو دیکھکر کوئی کس و ناکس بشرطیکہ ادنیٰ فہم و انصاف رکھتا ہو ہرگز نہ کہے گا کہ حضرت عمر نے جو فرمایا ہے کہ ہم کو کتاب اللہ کافی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حدیث نبوی کی ہم کو حاجت نہیں اور قرآن اسکی جگہ کافی ہے۔ اور نہ یہ مراد ہے کہ جبتک کسی حدیث کی شہادت قرآن میں نہ پائی جائے وہ لائق قبول نہیں بلکہ اس سے مراد صرف وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ جس مسئلہ میں سنتِ صحیحہ سے کوئی تفصیل نہ ہو وہاں قرآن کریم کافی ہے اس قول فاروقی کے مورد کو دیکھا جائے تو اس سے بھی یہی معنے سمجھ میں آتے ہیں مگر اسکی بحث و تفصیل میں تطویل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں شیعہ سنیوں کے باہمی اختلاف کو جو اس قول کی نسبت ان میں پایا جاتا ہے ذکر کرنا پڑتا ہے جس سے بحث مقصود سے خروج لازم آتا ہے امکان تضعیف و توہین حدیث صحیحین پر آپ نے ایک یہ دلیل پیش کی ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے

جب کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو تم اسکی تفتیش کرو۔ یہ دلیل بھی آپکی ناواقفی پر ایک دلیل ہے۔ احادیث صحیحین کے راوی تہمت فسق سے بری ہیں اور انکی عدالت ثابت و محقق ہوچکی ہے۔ اس نظر سے ان کتابوں کی احادیث اتفاق اہل اسلام کے ساتھ صحیح تسلیم کی گئی ہیں۔ امام ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں۔ ینبغی لکل منصف ان یعلم ان تخرج صاحب الصحیح لای راوی کان مقتض لعدالتہ عندہ وصحۃ ضبطہ و عدم غفلتہ ولاسیما الی ذلک من اطلاق جمہور الائمۃ علی تسمیہ الکتابین بالانصاف بالصحیحین وھذا المعنی لم یحصل بغیر من خرج عنہ فی الصحیحین فھو بمثابۃ اطباق الجمہور علی تعدیل من ذکر فیہما ھذا اذا اخرج لہ فی الاصول فاما ان اخرج فی المتابعات والشواھد والتعالیق فھذا یتفاوت درجات من اخرج لہ فی الضبط وغیرہ مع حصول اسم الصدق لہم وحینئذ اذا وجدنا لغیرہ فی احد منہم طعناً فذالک الطعن مقابل للتعدیل لھذا الامام فلا یقبل الا مبین السبب مفسر ابقادح یقدح فی عدالتہ ھذا الراوی و فی ضبطہ مطلقاً او فی ضبطہ الخبر بعینہ لان الاسباب الحاملہ للائمۃ علی الجرح متفاوتۃ منہا ما یقدح ومنہا ما لایقدح وقد کان الشیخ ابوالحسن المقدسی یقول فی الرجل الذی یخرج عنہ فی الصحیح ھذا اجاز القنطرۃ یعنی بذالک انہ لایلتفت الی ما قیل فیہ قال الشیخ ابوالفتح القشیری فی مختصرہ وھکذا معتقد وبہ اقول ولایخرج عنہ الا بحجۃ ظاھرۃ وبیان شاف یزید فی غلبۃ الظن علی المعنی الذی قدمناہ من اتفاق الناس بعد الشیخین علی تسمیۃ کتابیہما بالصحیحین ومن لوازم ذالک تعدیل رواتہا قلت فلا یقبل الطعن فی احد منہم الا بقادح واضح اس کے مقابلہ میں جو آپنے لکھا ہے کہ امکانی طور پر صدور کذب وغیرہ ذنوب ہر ایک سے بجز نبی کے ممکن الوقوع ہے یہ آپکی ناواقفی پر ایک اور دلیل ہے آپ یہ نہیں جانتے کہ روایت اور شہادت کا حکم ایک ہے جس میں فعلی صدور کذب مانع قبول و اعتبار ہے نہ امکانی۔ اور اگر امکانی کذب بھی مانع قبول و اعتبار ہوتا تو خدا تعالیٰ کسی گواہ کی شہادت بجز نبی معصوم قبول نہ کرتا اور نہ عدالت شہود کا نام لیتا اور مسلمانوں کو یہ اجازت نہ دیتا واشھدوا ذوی عدل منکم[1] یعنی دو گواہ عادل گواہ بناؤ اور نہ فرماتا ممن ترضون من الشھداء[2] یعنی ان لوگوں کو گواہ بناؤ جن کو پسند کرو۔ یعنی بلحاظ عدل ان کے و استقامت کے اچھا سمجھو۔ بلکہ صاف یہ ظاہر فرمایا کہ ہر معاملہ میں نبی معصوم کو گواہ کر لیا کرو۔ کیونکہ امکان کذب وغیرہ ذنوب بقول آپ کے بجز نبی معصوم کے ہر ایک گواہ میں موجود ہیں۔ اور امید ہے کہ بات آپ بھی نہ کہیں گے کہ امکان کذب کی نظر سے شہادت بجز نبی معصوم کسی کی مقبول نہیں۔

[1] الطلاق : ۳ [2] البقرہ : ۲۸۳

پھر اس امکان کذب کی نظر سے روایت احادیث کیوں نا قابل اعتبار ٹھہراتے ہیں۔ آپکے ایسے دلائل واقاویل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فن حدیث کے کوچہ سے بالکل نا آشنائی ہے آپ کو کتب حدیث پر اتفاقی نظر بھی نہیں بڑی صحیح مسلم کا چھٹا صفحہ اگر آپ کی نظر سے گذرا ہوا ہوتا تو آپ ہرگز اس آیت سے اپنے دعویٰ پر استدلال نہ کرتے یہ آیت تو اس امر کی دلیل ہے کہ جب راویوں یا ناقلوں کے ظاہری صدق و عدالت کا حال معلوم نہ ہو تو اُن کو بلا تحقیق قبول نہ کرو۔ نہ یہ کہ جن کا صدق و عدالت تم کو ثابت ہو انکو نقل روایت میں اس خیال سے کہ ان سے صدور کذب ممکن ہے بلا تحقیق جدید نہ مانو۔

صحیح مسلم ص۶ میں ہے واعلم وفقك الله ان الواجب على كل احد عرف التميز بين صحيح الروايات وسقيمها وثقات ناقلين لها من المتهمين ان لا يروى منها الا ما عرف صحة مخارجه والستارة فى ناقليه وان يتقى منها ما كان منها ان اهل التهم والمعاندين من اهل البدع والدليل على ان الذى قلنامن هذا هو اللازم دون ما خالفه قول الله تبارك وتعالىٰ ذكره يا ايها الذين اٰمنوا ان جاءكم فاسق بنبأ فتبينوا ان تصيبوا قوما بجهالة فتصبحوا على ما فعلتم نادمين وقال جل ثناءه ممن ترضون من الشهداء وقال اشهدوا ذوى عدل منكم مدل بما ذكرنا من هذه الاى ان خبر الفاسق ساقط نجر مقبول وان شهادة غير العدل مردودة والخبر ان فارق معناه معنى الشهادة فى بعض الوجوه فقد يجتمعان فى اعظم معنيهما اذ كان خبر الفاسق غير مقبول عند اهل العلم كما ان شهادته مردودة عند جميعهم۔ میرے اس سوال کے جواب میں کہ قرآن مجید کو احادیث صحیحہ کا معیار صحت ٹھہرانے میں آپکا کوئی شخص امام یا موافق ہے جو آپ نے فرمایا ہے کہ تمام مسلمان جو قرآن کو امام جانتے ہیں اور اسپر ایمان رکھتے ہیں اس مسئلہ میں میرے موافق ہیں۔ اور خاصکر صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی میرا موافق ہے جنہوں نے آنحضرت کے اس حکم سے کہ جو کچھ مجھ سے روایت کرو۔ اسے کتاب اللہ پر عرض کرو حدیث من ترك الصلوٰة متعمدا فقد كفر کو قرآن پر عرض کیا اور تیس سال کے بعد اسکو آیت اقیموا الصلوٰة ولا تکونوا من المشرکین[1] کے مطابق پایا۔ تو اس حدیث کو قبول کیا۔

اس کے پہلے حصہ کا جواب تو سابقاً گذر چکا ہے کہ مسلمانوں کا قرآن کو امام ماننا اور اسپر ایمان لانا یہ نہیں چاہتا کہ وہ کوئی حدیث صحیح جب تک کہ اس کو قرآن پر عرض نہ کریں قبول نہ کریں بلکہ وہ ایمان ان کو یہ سکھلاتا ہے کہ وہ حدیث کو جب اس کی صحت بقوانین روایت ثابت ہو فوراً قبول کریں اور اس کو قرآن مجید کی مانند

[1] الروم : ۳۲

واجب العمل سمجھیں صرف قرآن مجید کو کافی سمجھکر[1] اس حدیث سی استغنا نہ کریں۔ رہا جواب دوسرے حصہ کا کہ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی نے آپکے اعتقاد کے موافق عمل کیا ہے اور حدیث من ترك الصلوٰة متعمدًا کو قبول نہ کیا جب تک کہ اس کو آیت اقیموا الصلوٰۃ کے مطابق و موافق نہ پایا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ کلام صاحب حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی کا مطلب بیان کرنے میں آپنے دو وجہ سی دھوکا کھایا یا دیدہ و دانستہ مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔ وجہ اوّل یہ کہ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی نے آپ کی مانند یہ عام اصول نہیں ٹھہرایا کہ احادیث صحیحیہ مسلم الصحت کی صحت ثابت ہو جانے کے بعد اسکی صحت کا امتحان اس اصول سی کیا جائے اور جب تک وہ حدیث مطابق قرآن نہ ہو اس کو صحیح نہ سمجھنا چاہیئے۔ انکے کلام میں اس عام اصول کا نام و نشان بھی نہیں ہی اور نہ آپنے یہ عام اصول ان سے نقل کیا ہے انہوں نے صرف ایک حدیث من ترك الصلوٰة کو کتاب اللہ پر عرض کیا۔ اور اگر اس حدیث کے سوا اور احادیث کو بھی انہوں نے اسی عرض کے ذریعہ سے صحیح قرار دیا ہے تو آپ یہ امر ان سے بہ نقل صحیح ثابت کریں ورنہ آپ پر یہ الزام قائم ہے کہ آپ یہ جزئی واقع کو عام اصول بناتے ہیں۔ اور خود دھوکہ کھاتے اور مسلمانوں کو دُکھ دیتے ہیں اسپر اگر یہ سوال کرو کہ ان کے نزدیک یہ اصول تصحیح روایات عام مقرر نہ تھا تو انہوں نے اس حدیث

[1] اس گستاخانہ شوخی کی بھی کوئی حد ہے! اے اہل ایمان اے عاشقان کلام پاک رحمان تمہارے بدنوں پر رونگٹے نہیں کھڑے ہوتے تمہارے کلیجے دہل نہیں جاتے! کیسا اندھیر پڑ گیا! قرآن کریم کو ناکافی غیر مکمل اور ناقابل حکومت کہا جاتا ہی وہ کتاب جسنے علانیہ دعویٰ کیا ہی کہ میں کامل مہیمن اور تمام صداقتوں اور تمام دینی ضرورتوں کی حاوی و جامع کتاب ہوں۔ اور میں حکومت اور فیصلہ کرنیوالی ہوں شرارت دیکھو اسے ناکافی کہا جاتا ہی! کوئی اس بے باک گروہ سی پوچھے کہ اگر قرآن کو کسی تکملہ۔ تتمہ۔ ذیل۔ مستدرک اور ضمیمہ کی ضرورت تھی تو کیوں صاحب الوحی مہبط القرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں انکے حکم سی قرآن کے علاوہ اور انکے ملفوظات کی کتابت و تدوین کا شدید اور اکید اہتمام نہ کیا گیا کیوں بالصراحت آپنے نہ کہدیا کہ قرآن (معاذ اللہ) مجمل و ناکافی ہی۔ حدیثیں ضرور ضرور لکھ لیا کرو۔ ورنہ قرآن ادھورا ناقص اور بے معنے رہجائیگا۔ اللہ اللہ! قرآن کا تو وہ اہتمام ہو کہ بمجرد آیت کے نزول کے کاتب طیار بیٹھے ہوں اور ہڈیوں اور رق وغیرہ پر جھٹ پٹ لکھ لیں اور احادیث کے اہتمام کی کسی کو پروا نہ ہو۔ افسوس جس امر کا دعویٰ تحدی خود صاحب الحدیث نے نہیں کیا آپ لوگ اس سی بڑھکر کیوں قدم مارتے ہیں۔ قرآن کریم کی نسبت بیشک دعویٰ کیا گیا ہی ولوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافًا کثیرا۔ احادیث کی نسبت یہ تحدی اور دعویٰ کہاں کیا گیا ہے۔ فتدبر۔ ایڈیٹر۔

من ترك الصلوٰة کو قرآن پر کیوں عرض کیا تو جواب یہ ہی کہ اس حدیث کی صحت معنے میں ان کو کچھ شک ہو گا[1] اس شک کو رفع کرنے کی غرض سے انہوں نے یہ عمل کیا یا یہ کہ باوجود تسلیم صحت و عدم شک انہوں نے حصول مزید طمانیت کیلئے ایسا کیا اور اس حدیث کے اعتقاد کو اور پختہ کیا۔ اسکے جواب میں اگر یہ کہو کہ اس مسئلہ کا عام اصول ہونا خود اس حدیث کے الفاظ سے ثابت ہے اس صورت میں یہ اصول گویا آنحضرت کا مجوزہ اصول ہؤا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا آنحضرت سے ثابت نہ ہونا بلکہ زندیقوں[2] چھپے کافروں کی بناوٹ ہونا سابقاً بخوبی ثابت ہوچکا ہی لہذا اس مسئلہ کا بحکم نبوی عام اصول ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ دوسری وجہ یہ کہ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی کے کلام میں یہ تصریح نہیں ہی کہ جب تک شیخ طوسی نے اس حدیث کو آیت اقيموا الصلوٰة کے موافق نہ کرلیا تھا تب تک اسکو غیر صحیح یا وضعی سمجھا تھا۔ یا تیس[۳۰] سال کے عرصہ تک اس حدیث کی صحت یا عدم صحت کی نسبت کوئی فیصلہ نہ کیا تھا کیوں جائز نہیں کہ وہ اس حدیث کو مان چکے تھے مگر مزید اطمینان کے لئے وہ تیس[۳۰] برس تک قرآن مجید سے اس کا موافق ہونا تلاش کرتے رہے آپ سچے ہیں تو اس احتمال کو دلیل سے اٹھاویں اور بہ نقل صریح ثابت کریں کہ شیخ طوسی تیس[۳۰] سال تک اس حدیث کو غیر صحیح یا موضوع سمجھتے رہے یا اس کی صحت میں متردد و متوقف رہے۔ اس احتمال کو بدلائل اٹھا کر اس امر کو بہ نقل صریح ثابت کرنے کے بغیر آپ کا اس قول شیخ طوسی سے استدلال کرنا اور اسپر یہ درخواست کرنا کہ میں نے ایک آدمی کا نام اپنے موافقین سے بنا دیا۔ اب آپ ضد چھوڑ دیں کمال تعجب کا محل ہی اور شرم کا موجب ثبت العرش ثم النقش آپ شیخ محمد اسلم طوسی سے اس عرض کا عام اصول صحت احادیث ہونا یا تیس سال کا خاصکر حدیث من ترك الصلوٰة کی صحت میں متوقف رہنا ثابت کریں تو ہمارے انکار کو ضد کہیں۔ یہ نہ ہوسکے تو اس حدیث کی صحت ہی ثابت کریں پھر ہم شیخ محمد اسلم طوسی سے ان امور کا ثبوت بہم

تنبیہ ۱: [1] ناظرین مولوی صاحب کی اس "ہوگا" کو خوب یاد رکھیں آپنے اسی ہوگا کے باعث مرزا صاحب پر اعتراض کیا ہے۔ یہاں آپ نے نہ معلوم "ہوگا" کو کس قسم کے یقین کا مثبت قرار دیا ہے۔ ایڈیٹر۔

تنبیہ ۱: [2] اے بیچارے مسکین مسلمانو! اے اللہ تعالیٰ کے سچے مخلص بندو! تمہیں زندیق۔ منافق اور چھپے کافر صرف اس وجہ سے کہا گیا کہ تم نے کلام اللہ کا ادب کیا۔ اسکی قرار واقعی تعظیم کی۔ تم نے یہ کہا کہ خلاف کتاب اللہ کے جو حدیث ہو وہ قابل اعتبار نہیں۔ تم نے یہ بڑا ظلم کیا کہ قرآن کریم کو معیار صحت حدیث ٹھہرایا! پیارو بظالموں نے تمہیں اس جرم پر کافر اور کیا کچھ کہا۔ نہیں نہیں تم قرآن کا۔ ہمارے محبوب کا ادب کرنیوالے ہو۔ تم ہمارے سرتاج ہو۔ آؤ تمہیں سر آنکھوں پر بٹھائیں۔ قرآن کے چھپے دشمن تمہیں جو چاہیں کہیں۔ پر ہم تو تمہیں سچا مسلمان جانتے اور یقین کرتے ہیں۔ ایڈیٹر۔

پہنچانے کے طالب نہ رہیں گے اور اس حدیث کو جس کا مضمون خود ایک اصول ہے تسلیم کر کے اپنے انکار سے رجوع کریں گے واللہ ثم باللہ ثم تاللہ وکفیٰ باللہ شہیدا وکفیٰ باللہ وکیلا۔ اور اگر آپ صحت حدیث ثابت نہ کر سکیں یا شیخ طوسی سے امور مذکورہ بہ نقل صریح ثابت نہ کریں تو آپ اپنے مخترعہ مستحدثہ[1] اصول پر اصرار و ضد چھوڑ دیں۔ زیادہ ہم کیا کہیں۔

(۵) آپ لکھتے ہیں کیا آپ قرآن کریم کی ان خوبیوں کے بارہ میں کہ وہ محک اور معیار اور میزان ہے کچھ شک میں ہیں یہ کمال دھوکہ دہی ہے اور وہ اپنے پرچہ میں میرا یہ اقرار کہ میں قرآن کو امام جانتا ہوں اور احادیث صحیحین کو قرآن کے برابر نہیں سمجھتا نقل کرنے کے بعد یہ استفسار ایک افترا ہے جس سے مقصود صرف اپنے بے علم حاضرین مریدوں کو میری طرف سے بدظن کرنا ہے اور یہ جتانا ہے کہ یہ شخص قرآن کو نہیں مانتا۔ اس کا جواب میں پہلے بھی دے چکا ہوں کہ جو شخص قرآن کو حکم اور امام نہ مانیں وہ کافر ہے۔ اب پھر کہتا ہوں کہ قرآن ہمارا حکم، امام، میزان معیار قول فصل وغیرہ ہے مگر آپ اپنے غیر پر یعنے لوگوں کے باہمی اختلافات و تنازعات پر جو رائے پر مبنی ہوں اور حدیث صحیح تو خادم و مفسر قرآن اور وجوب عمل میں مثل قرآن ہے وہ اس سے مخالف و متنازع نہیں اور کسی مسلمان کا اسکی صحت قبول کرنے میں اختلاف نہیں تو پھر قرآن اسکی صحت کا حکم و معیار و محک کیونکر ہو سکتا ہے۔ اے خدا کی مخلوق خدا سے ڈرو مسلمانوں کو دھوکہ میں نہ ڈالو قرآن و حدیث صحیح ایک ہی چیز ہیں اور ایکدوسرے کے مصدق ہیں تو ایک کا دوسرے کے محک و معیار ہونا کیا معنے رکھتا ہے[2]۔ آپ لکھتے ہیں۔ کہ موضوع ہونا کسی حدیث کا اور بات ہے ضعیف ہونا اور ہے اور میں نے صحیح مسلم کی حدیث دمشقی کے ضعیف

---

[1] اہل ایمان۔ خدا ترس ناظرین پر واضح رہے کہ مولویصاحب مرزا صاحب کے اس اصول کو کہ "قرآن کریم صحت احادیث کا معیار ہے" مخترعہ مستحدثہ اصول قرار دیتے ہیں۔ بیشک حضرت مرزا صاحب کا بڑا بھاری جرم ہے کہ وہ اختلاف کے وقت قرآن مجید کو حکم قرار دیتے ہیں مولوی صاحب اسپر جس قدر ناراض ہوں بجا ہے۔ آفرین۔ مولویصاحب۔ ایڈیٹر۔

ف ۱ / ش ۱

[2] مولوی صاحب! ہوش سے بولئے۔ آپ دہائی کیوں دیتے ہیں مرزا صاحب کب کہتے ہیں کہ حدیث صحیح قرآن کی معارض و مخالف ہوتی ہے۔ مرزا صاحب کا یہ قول ہے کہ ہر ایک حدیث کو قرآن مجید کی محک پر کسنا چاہیئے جو اس امتحان میں پوری اترے وہ صحیح ہوگی اور پھر وہ لامحالہ قرآن کی مصدق ہوگی اور قرآن اور اسکا مضمون باہم متوافق ہوگا۔ آپکا یوں چلانا بے سود ہے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ پھر "اس کی صحت کا قرآن کیونکر معیار و حکم بن سکتا ہے"۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ صحیح جب ہی ہوگی جب قرآن کے معیار کے موافق کامل المعیار ثابت ہوگی پہلے اسکی صحت تو ثابت ہونی چاہیئے۔ بات تو بڑی آسان ہے کچھ یونہی سا پھیر ہے مولویصاحب اگر غور کریں تو شاید سمجھ جائیں۔ یاد رکھیئے کہ قرآن کی مفسر و خادم بھی وہی حدیث ہو سکے گی جو قرآن کی میزان میں پوری اترے گی۔ مولویصاحب! بتلایئے تو آپکو اس فضول پیچ نے کیوں

ف ۱ / ش ۱

ہونے کا امام بخاری کو قائل قرار دیا ہے انہوں نے اس حدیث کی روایت کو ترک کیا تو اس سے مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس حدیث کو ضعیف سمجھا ہی جسکو موضوع ہونے سی کوئی تعلق نہیں اس قول میں ایک تو آپنے دھوکہ دیا ہی دوسرا اپنی ناواقفی کا اظہار کیا ہی۔ دھوکہ یہ کہ یہاں آپ ضعیف اور موضوع میں فرق کو تسلیم کرتے ہیں حالانکہ آپ کے نزدیک جو حدیث موافق قرآن نہ ہو وہ موضوع ہی اور کلام رسول ہونے سی خارج نہ اور قسم کے ضعیف۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے پرچہائے ۔ میں ایسی حدیثوں کو کبھی موضوع کہتے ہیں کبھی غیر صحیح وضعیف جس سے صاف ثابت ہی کہ آپ کی اصطلاح میں موضوع وضعیف ایک ہے اور صحیح مسلم کی حدیث دمشقی کو بھی آپ قرآن کریم کے مخالف سمجھتے ہیں اور رسالہ ازالہ میں اسکی وجوہ مخالفت بڑے زور سے بیان کرچکے ہیں لہذا وہ آپکے نزدیک موضوع ہی نہ اور قسم کی ضعیف یہاں آپ اس اعتقاد کو جتا کر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں جس ناواقفی کا آپ نے اظہار کیا ہی وہ یہ ہی کہ روایت صحیح مسلم کو امام بخاری کے ترک کرنے سی آپنے یہ اجتہاد کیا ہی کہ انہوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہی صحیح سمجھتے تو وہ اس کو ضرور اپنی کتاب میں لاتے۔

یہ بات وہی شخص کہے گا جسکو حدیث کے کوچہ میں بھولے سی بھی کبھی گذر نہ ہوا ہوگا۔ امام بخاری نے بہت سی احادیث صحیحہ کو اپنی کتاب میں ذکر نہیں کیا اور یہ فرمادیا ہی کہ میں نے انکو بخوف طوالت ترک کردیا ہے[۱] صحیح بخاری کے مقدمہ میں ہے وروی من جهات عن البخاری قال صنفت کتاب الصحیح لبست عشر سنة اخرجته من ستة مایة الف حدیث وجعلته حجة بینی وبین اللّٰہ۔ وروی عنه قال رایت النبی صلعم فی المنام وکانی واقفت بین یدیه وبیدی مروحة اذب عنه فسالت بعض المعبرین فقال انت تذب عنه الکذب فهو الذی حملنی علی اخراج الصحیح۔ وروی عنه قال ما ادخلت فی کتاب الجامع الا ما صح وترکت کثیرًا من الصحاح لحال الطول[۱]۔ امام بخاری

پکڑ رکھا ہی۔ کہیں قرآن کے سوا کسی اور کتاب یا مجموعہ کی نسبت فأتوا بسورة من مثله کہا گیا ہے؟ وہ کلام جس کا لٹریچر غیر متلو ہوا اور مختلف موہنوں کے سانسوں سے منسوب ہوکر دائر وسائر ہوا ہو کبھی محفوظ رہ سکتا ہی۔ جانے دو ناحق کی ضد کو۔ ایڈیٹر۔

---

[۱] اس سوئے ادب اور افترا کا جو امام ہمام بخاری کی نسبت اس نادان دوست نے کیا ہی حضرت مرزا صاحب کا جواب بڑی غور سی ملاحظہ ہو۔ مولوی صاحب آپنے بخاری کو دین کی ایک کثیر صحیح حصہ کا عمدًا تارک قرار دیا ہی! کبرت کلمة تخرج من افواههم الآیة۔ الٰہی ان دوستوں سی بچائیو۔ ایڈیٹر۔

---

[۱] مولوی صاحب! ان منقولات کو جنپر حقیقةً حضرت امام بخاری کی کوئی مہر یا دستخط نہیں۔ کون بے ادب

سے یہ بھی منقول ہے کہ مجھے دولاکھ حدیثیں غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح یاد ہیں۔ باوجودیکہ صحیح بخاری میں چار
ہزار حدیثیں منقول ہیں جس سے ثابت ہے کہ چھیانویں ہزار حدیث اور امام بخاری کے نزدیک صحیح ہیں جن کو
وہ اپنی کتاب میں نہیں لائے۔ وجملة مافی الصحیح للبخاری من الاحادیث المسندة
سبعة الاف ومئتان وخمسة وسبعون حدیثاً بالاحادیث المکررة و
بحذف المکررة نحواربعة الافکذا ذکر النووی فی التهذیب والحافظ بن حجر
فی مقدمة فتح الباری۔

شیخ عبدالحق نے مقدمہ شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے ونقل عن البخاری انه قال حفظت من
الصحاح مائة الف حدیث ومن غیر الصحاح مائتی الف۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ امام
بخاری کا کسی حدیث صحیح کی روایت کو ترک کرنا اس امر کا مثبت نہیں ہے کہ انہوں نے اسکو ضعیف قرار دیا
امام بخاری کا ترک روایت حدیث مسلم کیونکر موجب ضعف ہو۔ امام مسلم نے خود اپنی کتاب میں بہت سی
احادیث کو جنکو وہ صحیح سمجھتے ہیں ذکر نہیں کیا۔ جیساکہ مقدمہ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ قال مسلم الذی

تسلیم کرسکتا ہے بمقابلہ اس شدید اور لاجواب الزام کے جو بخاری پر عاید ہوتا ہے (درصورتیکہ ان منقولات
کو واقعی منقول عن البخاری تسلیم کیا جاوے) کہ اس نے (بخاری) دین کے اکثر سے اکثر حصہ کو اور صحیح اور
ثابت شدہ حصہ کو یعنی کلام نبوی کو جس کی تبلیغ اس پر فرض تھی عمداً اکسل اور طوالت کی وجہ سے ترک کر دیا
اور خوف طوالت کا نہایت بودہ اور ناقابل سماعت عذر پیش کر دیا دھیان میں لاؤ ان شاقہ محنتوں اور
دراز مصائب کو جن کے بہ تفصیل سننے سے ایک صاحب عزم آدمی کی روح کانپ اُٹھتی ہے اور جنہیں
حضرت امام بخاری نے جمع احادیث کی خاطر مختلف سفروں میں گوارا کیا اور ان زمانوں میں صحرا ہائے
دشوار گذار قطع کئے جبکہ قدم قدم پہ ہلاکت کا اندیشہ تھا۔ اور پھر جب کئی لاکھ احادیث کو جمع کر کے
ایک لاکھ صحیح ان میں سے چھانٹیں "تو نیکی کر دریا میں ڈال" کے مقولہ پر عمل کر کے بلا وجہ کسی ترجیح کے
چار ہزار کو رکھ لیا اور باقی چھیانویں ہزار کو نیست و نابود کر دیا !!! ابلہ گفت و دیوانہ باور کرد ۔
اے سنگدل مولویو! تمہیں کس نے دین کی حمایت کرنا سکھایا۔ تم تو خدا کی، اُس کے برگزیدہ رسول کی،
خدام کرام رسول کی توہین کر رہے ہو۔ ولکن لا تشعرون۔ سچ ہے اہل اللہ کے مقابلہ میں جو لوگ آویں
اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو مسخ کر ڈالتا ہے، ان کی عقلیں تاریک ہو جاتی ہیں۔ اے مولائے کریم ہمیں
اس سے بچا تاکہ ہم تیرے برگزیدوں سے لڑائی کی ٹھہرائیں۔ ایڈیٹر۔

له البقرة : ۱۵۵

اوردت فی ھذا الکتب من الاحادیث صحیح ولا اقول ان ما ترکت ضعیف۔
امام مسلم نے خود اپنی کتاب صحیح میں فرمایا ہے لیس کل شئ عندی صحیح وضعتہ ھہنا یعنی فی کتاب الصحیح و انما وضعت ھٰھنا ما اجمعوا علیہ آپ دل میں سوچکر انصاف سے کہیں کہ امام بخاری یا خود امام مسلم کی کسی حدیث کی روایت کو ترک کرنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ وہ حدیث انکے نزدیک صحیح نہ ہو۔
آپ اٹکل پچو ایسی باتیں کہکر یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ فن حدیث سے آپکو کوئی تعلق اور کچھ مس نہیں۔ اس الزام دھوکہ دہی و ناواقفی کو آپ مانیں خواہ نہ مانیں آپکے کلام سے یہ تو ثابت ہوتا ہے جسکے ماننے سے آپکو بھی انکار نہیں کہ حدیث دمشقی صحیح مسلم کو آپنے اپنے اجتہاد سے ضعیف قرار دیا ہے اور آپکے اعتقاد مخفی توہین صحیحین کے اظہار کے لئے اس مقام میں اسی قدر بس ہے۔
اہل[1] حدیث جو آپکے پنجہ میں گرفتار ہیں آپکے اس قول و اقرار سے یقین کرینگے کہ آپ حدیث صحیح مسلم کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور اسپر جو فتویٰ لگائیں گے وہ مخفی نہیں ہے۔
(۶) آپ لکھتے ہیں کہ ازالۃ الاوہام میں احادیث صحیح بخاری و صحیح مسلم کی نسبت میں نے یہ قطعی فیصلہ نہیں دیا کہ وہ موضوع ہیں بلکہ شرطیہ طور پر کہا ہے کہ اگر ان کے باہمی تناقض کو دور نہ کیا جائے گا۔ تو ایک جانب کی حدیثوں کو موضوع ماننا پڑے گا۔ یہ آپ کی محض حیلہ سازی ہے۔ جس مقام میں آپ نے ان حدیثوں کو موضوع کہا۔ وہاں شرط تناقض بیان نہیں کی۔ بلکہ بڑے زور سے پہلے ان کا تعارض ثابت کیا ہے۔ پھر ان پر موضوع ہونے کا حکم لگا دیا ہے جس سے صاف ثابت ہے

حاشیہ:
[1] مولوی صاحب! عجب پندار چھوڑ دو۔ کبریا اللہ تعالیٰ کی چادر ہے۔ یہاں شیخی کام نہیں آسکتی۔ آپکو اپنے خیالی علم نے پاتال کے تاریک اور گندھک کے کنوئیں میں ڈال رکھا ہے۔ آپ ان لوگوں کو بار ہا حقارت سے یاد کر چکے ہیں جو حضرت مسیح موعود۔ مجدد۔ محدث حضرت مرزا صاحب سلمہ الرحمٰن کی جناب میں عقیدت رکھتے ہیں انکا حق ہے کہ آپکو فوراً یہ سنائیں الا انھم ھم السفھاء۔ "پنجہ میں گرفتار ہیں" کیسا حقارت آمیز جملہ ہے! حضرت مسیح کو اجلۃ الفضلاء (مولانا رفیقی و انیسی مولوی نورالدین صاحب۔ حضرت مولوی محمد احسن صاحب بھوپالوی۔ مولانا مولوی غلام نبی صاحب خوشابی وغیرہم جن میں سے اکثر کی فہرست حضرت اقدس نے ازالہ اوہام کے آخر میں شائع کی ہے) مانتے ہیں۔ ان پر جان و دل سے فدا ہیں۔ بڑے بڑے خدا کے نیکوکار بندے متقی۔ صاحب تقویٰ و انابت و خشیۃ و طہارت حضرت اقدس کو خلوص قلب سے خادم دین اللہ اعتقاد کرتے ہیں۔ ایک یہ خاکسار گنہ گار عبدالکریم بھی ہے جو کتاب و سنت پر علیٰ بصیرت مطلع ہو کر حضرت ممدوح کو اپنا مخدوم و مرشد مانتا ہے

[حاشیہ نمبر ۱]

ے البقرۃ : ۱۴

کہ آپ کے نزدیک ان احادیث میں تعارض وتناقض متحقق ہی و بناءً علیہ وہ احادیث آپ کے نزدیک موضوع ہیں۔ ہاں آپ نے ان احادیث میں کچھ کچھ تاویلیں بھی کی ہیں جن سے یہ مفہوم ہوتا ہی کہ وہ تاویل بغرض صحت احادیث مذکورہ آپ کرتے ہیں آپ کے کلام سے صاف یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ احادیث اوّل تو آپکے نزدیک صحیح نہیں موضوع ہیں اور اگر بالفرض وہ صحیح مانے جائیں تو پھر وہ آپکے نزدیک تاویلات سے ماؤل ہیں۔ یہ مطلب آپ کی ان عبارات ازالہ اوہام سے جو ہم پرچہ ۔۔۔ میں نقل کرچکے ہیں ان میں بلا شرط آپ نے ان احادیث کو موضوع کہاہی صاف ثابت ہے۔ آپ اس کے خلاف کے مدعی اور اپنے دعویٰ حال میں سچے ہیں تو اس مضمون کی عبارت نقل کریں جس میں پہلے آپ نے قطعی اور صاف طور پر ان احادیث کو صحیح مان لیا ہو پھر اس بیان صحت کے بعد شرطیہ طور پر یہ کہا ہو کہ ان احادیث کی تاویل نہ کی جائے تو یہ موضوع ٹھہرتی ہیں آپ اپنی کتاب سے یہ تصریح نکال دینگے تو ہم آپکو اس الزام سے کہ آپنے صحیحین کی احادیث کو موضوع قرار دیا ہے بری کردینگے۔ ورنہ کس و ناکس کو یقین ہوگا کہ درحقیقت آپ صحیح بخاری و مسلم کی حدیثوں کو موضوع ٹھہراچکے ہیں۔ مگر آپ اتباع عوام اہل حدیث کے خوف سے ان کو موضوع کہنے سے انکار کرتے ہیں تاکہ وہ عوام آپ کو منکر احادیث نہ کہیں اور جملہ اہل سنت سے خارج نہ کریں۔

(۷) آپ لکھتے ہیں میرے نزدیک اجماع کا لفظ اس حالت پر صادق آسکتا ہی کہ جب صحابہ میں سے مشاہیر صحابہ اپنی رائے کو شائع کریں اور دوسرے باوجود سننے کے اس رائے کی مخالفت ظاہر نہ فرماویں سو یہی اجماع ہی۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ و جابرؓ نے ابن صیاد کو دجال کہا تو یہ امر باقی صحابہ سے پوشیدہ نہ رہا ہوگا۔ سو میرے نزدیک یہی اجماع ہی آپکے نزدیک یہ اجماع نہیں تو آپ بتادیں کہ کس صحابی نے ابن صیاد کے دجال ہونے سے انکار کیا ہی۔ پھر آپ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے ابن صیاد کو دجال کہنے پر آنحضرت صلعم نے سکوت کیا ہی اور یہ ہزار اجماع سے افضل ہی ان عبارات میں آپنے میرے سوالات کا ادا کو یہ تعریف اجماع جو آپنے لکھی ہے

نوٹ ۱۹: دیکھو! مولوی صاحب اللہ کے بندوں کو حقیر جاننا وخامت عاقبت کا موجب ہوا کرتا ہی جلادو ان فضول کتابوں کی الماریوں کو جو حق شناسی کی راہ میں حجاب الاکبر بن رہی ہیں۔ ڈرجاؤ کہیں اس جماعت میں داخل نہ ہوجاؤ جنپر یحمل اسفاراً بولا گیا ہی آخر ہمارا بھی یوم الدین پر اسکی جزا و سزا پر ایمان ہی۔ ہم اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے افعال و اعمال کا جوابدہ یقین کرتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ آپ غرور وکبر سے مسلمانوں کو استحقار کی نظر سے دیکھیں! اتقوا اللہ! اتقوا اللہ ایها المفرطون المعتدون! ایڈیٹر۔

وہ کتاب میں ہے[۲] بعض صحابہ کے اتفاق کو کون اجماع کہتا ہے[۳] سکوت باقی صحابہ پر نقل صحیح کی کہاں شہادت پائی جاتی ہے اسکو نقل کریں غالباً اور ہوگا سے کام نہ لیں کچھ جواب نہ دیا اور پھر اپنے خیالات سابقہ کو دوبارہ نقل کر دیا جس سے صاف ثابت ہے کہ آپ علمی سوالات کو سمجھ نہیں سکتے۔ اور مسائل متعلقہ اجماع سے واقف نہیں یا دیدہ دانستہ مسلمانوں کو دھوکہ دہی کی غرض سے انکے جواب سے جو آپکے دعاوی کے مبطل ہیں چشم پوشی کرتے ہیں۔ اب میں ان سوالات کا پھر اعادہ نہیں کرتا کیونکہ میں آپسے جواب ملنے کی امید نہیں رکھتا[۱] اور بجائے اسکے آپ کی باتوں کا خود ایسا جواب دیتا ہوں جس سے ثابت ہو کہ آپنے جو کچھ کہا ہے وہ آپکی ناواقفی پر مبنی ہے۔ اور وہ میرے سوالات کا جواب نہیں ہو سکتا۔ آپ نے پوچھا ہے— میں تین شخصوں کی جماعت کے اتفاق کو اجماع قرار دیا تھا جو محض غلط اور ناواقفی پر مبنی ہے علماء اسلام جو اجماع کے قائل ہیں اجماع کی تعریف یہ کرتے ہیں وہ ایک وقت کے جملہ مجتہدین کے جن میں ایک شخص بھی منفرد و مخالف نہ ہو۔ اتفاق کا نام ہے۔ توضیح میں ہے ھو اتفاق المجتھدین من امت محمد صلعم فی عصر علی حکم شرعی۔ کتب اصول میں یہ بھی مصرح ہے کہ خلاف الواحد مانع یعنے ایک مجتہد بھی اہل اتفاق کا مخالف ہو تو پھر اجماع متحقق نہ ہوگا۔ مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے۔ قیل اجماع الاکثر مع ندرت المخالف اجماع کغیر ابن عباس اجمعوا ما یقول علی العول وغیر ابی موسیٰ الاشعری اجمعوا علیٰ نقض النوم الوضوٗ وغیر ابی ھریرۃ و ابن عمر اجمعوا علیٰ جواز الصوم فی السفر۔ والمختار انہ لیس باجماع لانتفاع الکل الذی ھو مناط العصمۃ اور نیز اس میں ہے لا ینعقد الاجماع باھل البیت وحدھم لانھم بعض الامۃ خلافا للشیعۃ۔ اور نیز اس میں ہے ولا ینعقد بالخلفاء الاربعۃ خلافا لاحد الامام۔ سکوت باقی اصحاب سے آپ نے اجماع استنباط کیا ہے۔ مگر اس کا ثبوت نہیں دیا بلکہ الٹا ہم سے ثبوت مخالف طلب کیا ہے یہ ثبوت پیش کرنا ہمارا فرض نہ تھا۔ مگر ہم آپ پر احسان کرتے ہیں۔ آپ کو سکوت کل کا ثبوت پیش کرنا معاف کر کے خود ثبوت خلاف پیش کرتے ہیں۔ پس واضح ہو کہ ابن صیاد کو

---

[۱] آخر افسوس کرتے کرتے مولوی صاحب کی حالت یاس و قنوط تک پہنچ گئی مولوی صاحب لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ لا تیئسوا من روح اللہ۔ صبر کیجئے ابھی حضرت مرزا صاحب سو صفحہ تک کا جواب مفصل آپ کو سنانے ہیں۔ ایڈیٹر۔

ق: ۱۹ نمبر ۱

دجال موعود نہ سمجھنے والے ایک ابوسعید خدری صحابی ہے ان سے صحیح مسلم میں منقول ہے قال صحبت ابن صیاد الی مکة فقال لی ما قد لقیت من الناس یزعمون انی الدجال الست سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول انه لا یولد له قال قلت بلی قال فقد ولد لی اولیس سمعت رسول اللہ صلعم یقول لا ید خل المدینة ولا مکة قلت بلی قال فقد ولدت بالمدینة وها انا ارید مکة قال ثم قال لی فی اٰخر قوله اما واللہ انی لاعلم ولده ومکانه واین هو قال فلبستنی۔ ابوسعید خدری کا یہ لفظ لبسنی صاف مشعر ہے کہ وہ دجال ابن صیاد کو یقیناً دجال موعود نہ سمجھتے تھے بلکہ اسمیں انکو لبس یعنی شبہ تھا۔ دوسرے تمیم داری جو دجال کو اپنی آنکھ سے ایک جزیرہ میں مقید دیکھ کر آئے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے۔

وفی روایة فاطمة بنت قیس قالت سمعت نداء المنادی رسول اللہ صلعم ینادی الصلوٰة جامعة فخرجت الی المسجد فصلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فکنت فی صف النساء الذی یری ظهور القوم فلما قضی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم صلوٰة جلس علی المنبر وهو یضحك فقال لیلزم کل انسان مصلاه ثم قال اتدرون لم جمعتکم قال اللہ ورسوله اعلم قال انی واللہ ما جمعتکم لرغبة ولا رهبة ولکن جمعتکم لان تمیم الداری کان رجلا نصرانیا فجاء فبایع فاسلم وحدثنی حدیثاً وافق الذی کنت احدثکم عن مسیح الدجال حدثنی انه رکب فی سفینة بحریة مع ثلثین رجلا من لخم وجزام فلعب بهم الموج شهراً فی البحر ثم رفعوا الی جزیرة فی البحر حین تغرب الشمس فجلسوا فی اقرب السفینة فدخلوا الجزیرة فلقیتهم دابة اهلب کثیر الشعر لا یدرون ما قبله من دبره من کثرة الشعر فقالوا ویلك ما انت قالت انا الجساسة قالوا وما الجساسة قالت یا ایها القوم انطلقوا الی هذا الرجل فی الدیر فانه الی خبرکم بالاشواق قال لما سمت لنا رجلا فرقنا منها ان تکون شیطانة قال فانطلقنا سراعاً حتی دخلنا الدیر فاذا فیه اعظم انسان رایناه قط خلقا واشد وثاقا مجموعة یداه الی عنقه ما بین رکبتیه الی کعبیه بالحدید قلنا ویلك ما انت قال قدرتم علی خبری، فاخبرونی ما انتم قالوا نحن اناس من العرب رکبنا فی سفینة بحریة فصادفنا البحر حین اغتلم فلعب بنا الموج شهرا ثم رقینا الی جزیرتك هذه فجلسنا فی اقربها فدخلنا الجزیرة فلقینا دابة اهلب کثیر الشعر لا ندری ما قبله من دبره

من کثرۃ الشعر فقلنا ویلك ما انت فقالت انا الجساسۃ قلنا ما الجساسۃ قالت اعمدوا الی ھذا الرجل فی الدیر فانہ الی خبرکم بالاشواق فاقبلنا الیك سراعًا وفزعنا منھا ولم نطمئن ان تکون شیطانۃ فقال اخبرونی عن نخل بیسان قلنا عن ای شانھا تستخبر قال اسئلکم عن نخلھا ھل یثمر قلنا لہ نعم قال اما انھا یوشك ان لا تثمر قال اخبرونی عن بحیرۃ طبریۃ قلنا عن ای شانھا تستخبر قال ھل فیھا ماء قالوا ھی کثیرۃ الماء قال اما ان ماءھا یوشك ان یذھب قال اخبرونی عن عین زغر قالوا عن ای شانھا تستخبر قال بل فی العین ماء ھل یزرع اھلھا بماء العین قلنا لہ نعم ھی کثیرۃ الماء و اھلھا یزرعون من ماءھا قال اخبرونی عن نبی الامیین ما فعل قالوا قد خرج من مکۃ ونزل بیثرب قال اقاتلہ العرب قلنا نعم قال کیف صنع بھم فاخبرناہ الیہ قد ظھر علی من یلیہ من العرب واطاعوہ قال لھم قد کان ذالك قلنا نعم قال اما ان ذالك خیر لھم یطیعوہ وانی مخبرکم عنی انی انا المسیح الدجال وانی اوشك ان یوذن لی فی الخروج فاخرج فاسیر فی الارض فلا ادع قریۃ الا ھبطتھا فی اربعین لیلۃ غیر مکۃ وطیبۃ فھما محرمتان علی کلتاھا کلماتنا کلما اردت ان ادخل واحدۃ اوواحدا منھما استقبلنی ملك بیدہ السیف سلطا یصدنی عنھا وان علی کل نقب منھا ملائکۃ یحرسونھا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وطعن بمخصرتہ فی المنبر ھذہ طیبۃ ھذہ طیبۃ یعنی المدینۃ الا ھل کنت حدثتکم ذالك فقال الناس نعم فانہ اعجبنی حدیث تمیم انہ وافق الذی کنت احدثکم عنہ وعن المدینۃ ومکۃ الا انہ فی بحر الشام او بحر الیمین لا بل من قبل المشرق ماھو من قبل المشرق ماھو اومی بیدہ الی المشرق قالت فحفظت ھذا من رسول اللہ صلعم۔ اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ تمیم داری نے دجال کو آنکھ سے دیکھا پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ قول ابن عمر کے موافق ابن صیاد کو دجال سمجھتے آپنے اس حدیث کا ضعف ایک دوست کے حوالہ سے نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم سے نقل کیا ہے۔ اس کا جواب ہم اس وقت دینگے جب آپ نواب صاحب کا اصل کلام نقل کرینگے۔

تیسرے وہ لوگ جو حضرت ابن عمر کے منہ پر ابن صیاد کے دجّال ہونے سے انکار کرچکے تھے چنانچہ صحیح مسلم کے صفحہ ۳۹۹ میں حضرت ابن عمر سے منقول ہے فقلت لبعضھم ھل تحدثون انہ ھو قال لا واللہ

قال قلت کذ بتنی واللہ لقد اخبرنی بعضکم انہ لا یموت حتی یکون اکثرما لا وولدًا فذالك ھو زعم الیوم یعنے حضرت ابن عمر نے کہ مَیں نے بعض لوگوں کو (جن سے انکے معاصر اصحاب مراد ہیں) کہا کہ کیا تم کہتے ہو کہ ابن صیاد دجّال ہے۔ تو وہ بولے بخدا ہم نہیں کہتے مَیں نے کہا تم مجھے جھوٹا کرتے ہو بخدا تم ہی سے بعض نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ دجّال صاحب الاولاد ہوکر مریگا۔ اور اب وہ (ابن صیاد) ایسا ہی صاحب اولاد ہے۔ یہ قول ابن عمر اس امر پر نص صریح ہے کہ ابن صیاد کو اور لوگ حضرت ابن عمر کے معاصر دجال نہیں جانتے ہیں اور انکے سامنے ان کی رائے سے خلاف ظاہر کرتے تھے۔

صرف حضرت ابن عمر ہی کا یہ ایسا قول تھا کہ جس میں ابن صیاد کو دجّال موعود بلفظ مسیح الدجال کہا گیا ہے کیونکہ جابر و حضرت عمر کے قول سے یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ دجّال موعود ہے بلکہ انہوں نے ابن صیاد کو صرف دجّال کہا ہے جس سے منجملہ تیس ۳۰ دجّالوں کے ایک دجّال مراد ہوسکتا ہے۔ چنانچہ عنقریب اس کا ثبوت آتا ہے اور جبکہ حضرت ابن عمر کے صریح قول پر انکار مانا گیا ہے تو اس سے بڑھکر خلاف کے تصریح آپ کیا چاہیں گے۔ آپکے حواری حکیم نور الدین نے ہمارے سوال نمبری ۱۲ کے جواب میں اس اختلاف کو تسلیم کیا اور یہ کہا ہے کہ دجّال کی نسبت مختلف خیال ہیں۔

آپ نے بڑا غضب ڈھایا کہ ابن صیاد کے دجّال ہونے پر اجماع صحابہ کا دعویٰ کرلیا اپنے حواری سے تو مشورہ کرلیا ہوتا۔ آخر میں جو آپنے قول فاروقی پر آنحضرت صلعم کے سکوت کرنے کا دعویٰ کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر نے جو آنحضرت کے سامنے ابن صیاد کو دجّال کہا۔ اور اس پر قسم کھائی تھی۔ اس میں یہ تصریح نہی ہے کہ ابن صیاد ہی وہ دجّال ہے جس کے آنے کی آنحضرت نے علامات خاصہ بیان کرکے خبر دی تھی اور جملہ انبیاء سابقین نے اپنی اُمت کو ڈرایا تھا۔ لہذا ممکن و محتمل[1] ہے کہ حضرت عمر کے اس قول سے یہ مراد ہو کہ ابن صیاد منجملہ ان تیس ۳۰ دجالوں کے ہے جن کے خروج کے آنحضرت نے خبر دی ہے۔ اس صورت میں آنحضرت کا سکوت آپ کے لئے کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ یہ سکوت ابن صیاد آخری دجّال کہنے پر نہ ہوا بلکہ کوئی اور دجال منجملہ دجاجلہ مُلّا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے۔ قیل لعل عمر اراد بذالك ان ابن صیاد من الدجالین الذین یخرجون فیدعون

نوٹ: [1] ناظرین! ممکن و محتمل کا لفظ قابل غور ہے! ایڈیٹر۔

النبوت ویضلون الناس ویلبسون علیھم۔اس پر شاید آپ یہ اعتراض کریں کہ جابر کے قول ابن صیاد الدجال میں جو حضرت عمر کی طرف بھی منسوب ہوا ہے لفظ دجال پر الف لام بتا رہا ہے، کہ دجال سے ان کی مراد خاص دجال ہے نہ کہ کوئی دجال اور علماء معنے و بیان نے کہا ہے کہ خبر معرف بلام ہو تو اس کا مبتدا میں قصر ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دجال سے آخری دجال مراد نہ لیں بلکہ منجملہ تیس[۳] دجال کے ایک دجال مراد ٹھہرائیں تو اس صورت میں بھی خاص دجال کی طرف الف ولام کا اشارہ ہو سکتا ہے۔ رہا جواب قصر سو یہ ہے کہ خبر معرف بلام مقدم ہو جیساکہ ابن عمر کے قول المسیح الدجال ابن صیاد میں ہے تو بیشک بلا اختلاف خبر کا مبتدا پر قصر ہوتا ہے مگر درصورتیکہ خبر مؤخر ہو تو اس کا مفید قصر ہونا محل اختلاف ہے۔ صاحب کشاف نے فائق میں اس سے انکار کیا ہے۔ چنانچہ فاضل عبدالکریم سیالکوٹی نے مطول کے حاشیہ میں کہا ہے قال مال صاحب الکشاف الی التفرقۃ بینھما حیث ذکر فی الفائق ان قولك اللہ ھو الدھر معناہ انہ الجالب للحوادث لا غیر الجالب وقولك الدھر ھو اللہ معناہ ان الجالب للحوادث ھو اللہ لا غیرہ۔ بناءً علیہ لام الدجال سے قصر ثابت نہیں ہوتا۔ لام کو عہدی کہو یا جنسی اور قول جابرؓ یا حضرت عمر کے معنے یہ بنتے ہیں کہ ابن صیاد دجال ہے نہ کچھ[۱] اور یہ معنے نہیں ہیں کہ دجال وہی ہے نہ کوئی اور مگر ان باتوں کے سمجھنے کے لئے علم بیان وادب و معانی میں دخل درکار ہے جس سے آپ اس احتمال کو کہ حضرت عمر نے دجال سے تیس[۳] دجالوں میں سے ایک دجال مُراد رکھا تھا کسی دلیل سے اٹھا دیں اور انکے صریح الفاظ سے ثابت کریں کہ دجال سے انکی مراد آخری دجال تھا تو پھر ہم اسکا جواب یہ دینگے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت عمر کو جب انہوں نے ابن صیاد کو قتل کرنا چاہا تھا یہ فرمایا تھا کہ ابن صیاد وہ دجال ہے تو تجھے اس کے قتل پر قدرت نہ ہوگی اس کے قاتل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں ہے فقال عمر بن الخطاب ذرنی یارسول اللہ اضرب عنقہ فقال لہ رسول اللہ صلعم ان یکنہ فلن تسلط علیہ وان لم یکنہ فلا خیر لك فی قتلہ۔ ابوداؤد کی روایت میں یوں آیا ہے ان یکن فلست صاحبہ انما صاحبہ عیسیٰ ابن مریم وان لایکن ھو فلیس لك ان تقتل رجلاً من اھل الذمۃ اس قول آنحضرت صلعم سے صاف ثابت ہے کہ آنحضرت نے حضرت عمر کو اس خیال سے

---

۱ ناظرین! ان تاویلات رکیکہ پر ذرا غور سے نظر ڈالنا۔ اس پر حضرت مرزا صاحب کا دعوےٰ و تحدی ملاحظہ ہو۔ ایڈیٹر۔

(انھوں نے بالفرض ظاہر کیا ہو خواہ دل میں رکھا ہو) ابن صیاد دجال موعود ہے روک دیا اور بناءً علیہ اس کے قتل سے منع کر دیا۔ اس قول نبوی کے کتب احادیث میں موجود ہونے کے ساتھ یہ کہنا کہ آنحضرت نے حضرت عمر کے ابن صیاد کو دجال موعود کہنے یا سمجھنے پر سکوت کیا اوسی شخص کا کام ہے جس کو حدیث بلکہ کسی شخص کا کلام سمجھنے سے کوئی تعلق نہ ہو۔

اِس بیان سے صاف ثابت ہے کہ آپ نے جو کچھ اس باب میں لکھا ہے وہ فن حدیث اصول فقہ علم معانی و بیان و ادب وغیرہ سے ناواقفی پر مبنی ہے۔

(۸) آپ لکھتے ہیں کہ کسی کو کسی بات کا قائل ٹھہرانا تصریح پر موقوف نہیں اس امر کی نسبت اس کے اشارات پائے جانے سے بھی اس کو قائل بنایا جاتا ہے۔ آنحضرت کا ایک مُدت طویل تک ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے رہنا احتمال امر نہیں۔ آنحضرت نے زبان سے ڈر سنایا ہوگا۔ تب ہی صحابی نے لم یزل کا لفظ فرمایا۔ آنحضرتؐ اور سبھی انبیاء دجال سی ڈراتے آئے ہیں۔

ایک شخص کا دس برس سے دہلی کی طیاری کرنا کوئی بیان کرے تو اس سی یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس شخص نے دہلی جانے کا ارادہ کبھی زبان سے بتایا ہوگا۔

اور اگر یہی احتمال مسلم ہو کہ آنحضرت کے حالات سی انکا ڈرنا صحابی نے اسکا ڈرنا سمجھ لیا تھا تو یہ بھی احتمال ہے کہ زبان سے سُنا ہو۔ اور لفظ لم یزل سے یہ احتمال قوی ہوتا ہے اس صورت میں آپ کا مجھکو مفتری کہنا بیجا ہے۔

اس سی آپکا افترا وسابق پختہ و متیقن ہوتا ہی اور یہ بھی ثابت ہوتا ہی کہ آپنے جو پہلے کہا تھا وہ خطاءً نہیں کہا عمداً افترا کیا ہی اور اسپر آپ کو ابتک ایسا اصرار ہی کہ جتانے سے بھی باز نہیں آتے اور اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے محدثین نے بیان کیا ہی کہ جو شخص روایت حدیث میں غلطی پر متنبہ کیا جاوے اور پھر اس سی باز نہ آئے وہ ساقط العدالت ہو جاتا ہی۔

آپ کا یہ کہنا کہ اشارات سے بھی ایک شخص کو ایک امر کا قائل بنایا جاتا ہے تب آپ کے حق میں مفید ہو جبکہ صحابی آنحضرت کو اس قول کا قائل بناتا جس کا قائل آنحضرت کو آپ نے بنا دیا ہے۔ صحابی نے آنحضرت کو قائل قول مذکور نہیں بنایا بلکہ اپنا خیال بیان کیا ہے تو پھر اس کہنے سے آپ کو کیا فائدہ ہے کہ اشارات سے بھی قائل بنایا جاتا ہے۔ آنحضرت کی طرف کسی قول کو منسوب کرنا اسی صورت و پیرایہ میں حلال ہے جس صورت

پیرایہ میں آپ نے فرمایا ہو۔ اشارةً ہو تو اشارةً صراحتہً ہو تو صراحتہً۔ آنحضرت نے فرمایا۔ اتقوا عنی الا ما علمتم فمن کذب علیّ متعمدًا فلیتبوء مقعدہٗ من النار۔ آپ کی کتب حدیث میں اگر نظر ہو تو آپ کو معلوم ہو کہ آنحضرت کے اصحاب سے کوئی ایسا لفظ نقل نہ کرتے جو آپ نے نہ فرمایا ہوتا اور اگر ان کو اصل لفظ حضرت رسالت میں شک واقع ہو جاتا تو شک تردد کے ساتھ الفاظ بیان کرتے آپنے باوجودیکہ آپکو یہ علم نہ تھا کہ آنحضرت صلعم نے وہ الفاظ فرمائے ہیں جو آپنے نقل کئے ہیں اور ابتک اس کا علم پر یقین نہیں صرف خیالی احتمال ہے۔ پھر آپنے اس لفظ کو آنحضرت کی طرف منسوب کیا تو بجز افترا عمدی اور کیا ہو سکتا ہے۔

آنحضرت کے ابن صیاد کے ڈرنے کو احتمالی کون کہتا ہے وہ ہمیشہ اس سے اور اصحاب اس امر کو ملاحظہ کرتے تب ہی ایک صحابی نے یہ کہدیا کہ ہمیشہ آنحضرت ڈرتے تھے لفظ ہمیشہ (مالم یزل) کو یہ لازم نہیں ہے کہ آپ زبان سے بھی یہ فرمادیا کرتے کہ میں ڈرتا ہوں۔

پہلے انبیاء اور آنحضرت صلعم اجمعین نے بیشک دجال موعود سے ڈرایا ہے مگر اس سے یہ نکالنا کہ آپ نے ابن صیاد کو دجال کہکر ڈرایا ہے آنحضرت پر ایک اور افترا ہے دجال سے ڈرانا ابن صیاد سے ڈرانا نہیں ہے۔ خدا سے ڈرو۔ آنحضرت پر افترا نہ کرتے جاؤ۔

تیاری دہلی کی مثال میں آپنے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے۔ ایک شخص کو دس برس سے اگر کوئی دیکھے کہ وہ وقتاً فوقتاً دہلی کا ٹکٹ خرید کر واپس کرآتا ہے اور ایسی حالت میں آخری برس تک وہ رہا ہے تو اس کی نسبت یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ دس برس سے تیار ہے۔ گو تیاری کا حرف کبھی زبان پر نہ لاوے ہم سے ایک اور مثال سنیئے ایک شخص مدت العمر نمازوں اور دعاؤں میں زاری کرتا رہے احکام شریعت کا پابند ہو خدا کا اور بندوں کا حق تلف نہ کرے اس کی نسبت کس و ناکس بشرطیکہ فاتر الحواس نہ ہو یہ کہہ سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے کہ وہ خدا سے ڈرتا ہے گو وہ منہ سے کبھی نہ کہے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔

ایک احتمال کے مقابل دوسرا احتمال ہو تو مدعی کو اس سے استدلال درست نہیں ہے اس کے خصم منکر کو پہنچتا ہے کہ وہ اس احتمال سے تمسک کر کے بحکم اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال مدعی کے استدلال کو توڑ دے۔ آپ اس امر سے ناواقف ہیں تب ہی مدعی ہو کر احتمال سے استدلال کرتے ہیں۔

افترا آپکی قدیم سنت[1] ہے ان افتراؤں کے علاوہ جو ثابت کئے گئے ہیں آپ نے رسالہ ازالہ کے ص۲۰

19/20 [1] کیا اسی وقت سے جبکہ آپنے انکو ولی اللہ۔ ملہم۔ مجدد اور محدث مانا اور انکی بے مثل کتاب البراہین کی اخص

میں حدیث کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم اما مکم منکم کا ترجمہ کیا تو اس میں اس سوال وجواب کا رسول اللہ صلعم پر افترا کیا ہی کہ ابن مریم کون ہی وہ تمہارا ہی ایک امام ہوگا اور تم میں سے ہی (اے امتی لوگو) پیدا ہوگا۔ آپ نے عمداً رسول اللہ پہ یہ افترا نہیں کیا تو بتائیں کس حدیث کے کس طریق یا وجہ میں یہ سوال وجواب وارد ہیں۔

رسالہ ازالہ کے صفحہ ۱۲ میں آپنے دجال موعود کے محل نزول میں اختلاف علماء بیان کیا تو اس میں علماء اسلام پر یہ افترا کیا کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ نہ بیت المقدس میں اتریگا نہ دمشق میں بلکہ مسلمانوں کے لشکر میں اُترے گا۔ آپ اس قول کے بیان میں مفتری نہیں تو بتادیں کہ کس عالم کا یہ قول ہے کہ وہ نہ بیت المقدس میں اُتریں گے نہ دمشق میں۔

آپکے ان افتراؤں سے کامل یقین ہوتا ہی کہ آپ کسی الہام کے دعویٰ میں سچے نہیں اور جو تار پود آپ نے پھیلا رکھا ہے سب افترا ہے۔

(۹) آپ لکھتے ہیں کہ آپ بخاری بخاری کرتے ہیں اور بخاری کی یہ حدیث اپنے رسالہ میں نقل کر چکے ہیں کہ محدث کی بات میں شیطان کا کچھ دخل نہیں ہوتا۔ بخاری پر آپکا ایمان ہی تو اس حدیث کی تسلیم سے ابن عربی کا قول آپکے نزدیک مسلم ہی۔ پھر میں نے آپ پر کیا افترا کیا۔

اِس میں آپ نے مجھ پر ایک اور افترا کیا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ مہربانِ من میں صحیح بخاری کو تسلیم کرتا ہوں اور اس حدیث پر جو صحیح بخاری میں محدث کے شان میں مروی ہے میں ایمان رکھتا ہوں ومع ہذا یہ اعتقاد رکھتا ہوں کہ جو شخص محدث کہلاوے اور صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی احادیث کو بشہادت الہام خود موضوع قرار دے وہ محدث نہیں ہے شیطان کی طرف سے مخاطب ہے۔ واقعی محدث وملہم وہی شخص ہے جس کے تحدیث والہام قدیم قرآن مجید و احادیث صحیحہ کے مخالف نہ ہو۔ اور جو شخص محدث یا ملہم ہونے کا دعویٰ کرے اور اس کے ساتھ یہ کہے کہ مجھے فرشتوں نے کہا ہے یا خدا نے الہام کیا یا رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے

فٹ نوٹ ۱ ۱ ۱

برکات میں شامل ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی تھی؟ دیکھو ریویو براہین کا آخری حصہ شیخ صاحب بقول شیخ سعدی رح بڑی سبک سری اور دنائت ہے:۔

''باندک تغیر خاطر از مخدوم قدیم برگشتن وحقوق نعمت سالہا در نوشتن''

شیخ صاحب ایسی ضد سے باز آجاؤ۔ ایڈیٹر۔

کہ صحیحین کی حدیثیں موضوع ہیں مَیں اس کو شیطان کا مخاطب اور اس کی طرف سے محدث بلکہ شیطان مجسّم سمجھتا ہوں۔ ایسا جعلی محدث بعینہ ویسا ہے جو محدّث بنکر کہے کہ مجھے الہام ہُوا ہی کہ قرآن مجید خدا کا کلام نہیں ہی جس کو اُمید ہے کہ آپ بھی محدث تسلیم نہ کریں گے۔
یہی وجہ ہی کہ اس وقت کے مسلمان جو بخاری کو مانتے ہیں آپ کے دعویٰ محدثیت کو قبول نہیں کرتے کیا وہ اس انکار سے اس حدیث بخاری کے منکر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں۔
خدا سے ڈرو اور مسلمانوں کو مغالطہ نہ دو یہ آپ کے کلام کا مختصر جواب ہی جس سے آپ کے مغالطات اور ناواقفی اور دھوکہ دہی کا بخوبی اظہار ہوگیا۔
بعض مطالب پرچہ آخری اور پرچہائے سابق کے جوابات و نتائج کو بخوف تطویل عمداً چھوڑ دیا گیا ہے کیونکہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ ہمارے حصول مطلب کے لئے کافی ہے۔ ان باتوں کو ہمارے اصل مدعا سے ایسا تعلق نہیں ہی کہ وہ بلا بیان ان باتوں کے وہ مدعا حاصل نہ ہوتا ان باتوں کا اظہار صرف اس وجہ سے ہُوا ہے کہ آپ نے اصل سوال کا جواب نہ دیا اور ان باتوں کے بیان سے جن کا جواب ہم نے دیا ہے جواب کو ٹلایا۔ آئندہ اپنی طرز تحریر اور تطویل و دفع الوقتی کو چھوڑ دیں۔ تو اس طرف سے بھی اس قسم کی باتوں سے قلم روک لیا جائے گا۔ اور اگر اسی تحریر کے جواب میں آپ نے پھر وہی روش اختیار کی تو آپ دیکھ لیں کہ اس طرف سے بھی ایسا ہی سلوک ہوگا۔ آپ کے لئے بہتر ہے کہ اس روش کو بدل دیں اور میرے اصل سوال کا جواب اتنی سطروں میں دیں جتنی سطروں میں میرا سوال ہے۔ مَیں سر دست جواب یا دلائل نہیں چاہتا مجرد جواب کا طالب ہوں۔ جس وقت میں کسی مسئلہ میں آپ سے بحث و دلائل کا طالب ہونگا۔ اُس وقت آپ تفصیلی بحث کریں۔ میری یہ نصیحت منظور ہو تو آپ مختصراً بتادیں کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث جملہ صحیح ہیں یا جملہ موضوع ناقابل العمل یا مختلط جن میں بعض صحیح ہوں بعض موضوع۔ اِس سوال کا جواب دو حرفی آپ نے دیا تو پھر مَیں اور سوال کرونگا اور اسی طرح اختصار آپ نے مدنظر رکھا تو ایک دن میں مباحثہ انشاء اللہ تعالےٰ ختم ہوگا۔ کما تدین تدان۔

ابو سعید محمد حسین۔ ۲۶- جولائی ۹۱ء

مرزا صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مولوی صاحب مَیں نہایت افسوس سے تحریر کرتا ہوں کہ جس سوال کے جواب کو مَیں کئی دفعہ آپکی خدمت میں گذارش کر چکا ہوں وہی سوال آپ بار بار بہت سی غیر متعلق باتوں کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اچھی طرح میری تحریرات پر غور بھی نہیں کی اور نہ میری کلام کو سمجھا اسی وجہ سے آپ ان امور کا بھی الزام میرے پر لگاتے ہیں جنکا مَیں قائل نہیں لہذا مَیں مناسب سمجھتا ہوں کہ برعایت اختصار پھر آپکو اپنے عقیدہ اور مذہب سے جو حدیثوں کے بارہ میں مَیں رکھتا ہوں اطلاع دوں۔

سو مہربان من آپ پر ظاہر ہو کہ مَیں اپنی تحریر نمبر چہارم و پنجم میں بتفصیل وتصریح بیان کر چکا ہوں کہ احادیث کے دو حصے ہیں ایک وہ حصہ جو سلسلہ تعامل کے پناہ میں آگیا ہے یعنی وہ حدیثیں جن کو تعامل کے محکم اور قوی اور لاریب سلسلہ نے قوت دی ہے۔

اور دُوسرا وہ حصہ ہے جنکو سلسلہ تعامل سے کچھ تعلق اور رشتہ نہیں اور صرف راویوں کے سہارے اور انکی راست گوئی کے اعتبار پر قبول کی گئی ہیں سو اگرچہ میں صحیحین کی حدیثیں اس قوت اور مرتبہ پر نہیں سمجھتا کہ باوجود مخالف آیات صریحہ و بیّنہ قرآن انکو صحیح سمجھ سکوں لیکن سلسلہ تعامل کی حدیثیں میری اس شرط سے باہر ہیں چنانچہ میں اپنی تحریر کے نمبر پنجم میں بتصریح لکھ چکا ہوں اگر سلسلہ تعامل کی حدیثوں کے رُو سے کسی حدیث کا مضمون قرآن کے کسی خاص حکم سے بظاہر مغائر معلوم ہو تو مَیں اسکو تسلیم کر سکتا ہوں کیونکہ سلسلہ تعامل کی حدیثیں حجت قوی ہیں اور قرآن کو معیار ٹھہرانے سے سلسلہ تعامل کی حدیثیں مستثنےٰ ہیں دیکھو تحریر نمبر پنجم بجواب آپکی تحریر کے۔

آپ میری تحریر نمبر پنجم کے پڑھنے کے بعد اگر فہم اور تدبر سے کام لیتے تو بیہودہ اور غیر متعلق باتوں سے اپنی تحریر کو طول نہ دیتے۔ مَیں نے کب اور کہاں یہ اعتقاد ظاہر کیا ہے کہ سنت متوارثہ متعاملہ اور حدیث مجرد دونوں اس بات کی محتاج ہیں کہ قرآن کریم سے اپنی تحقیق صحت کے لئے پرکھی جائیں بلکہ مَیں تو نمبر مذکور میں صاف طور پر لکھ چکا کہ سلسلہ تعامل کی حدیثیں بحث مانحن فیہ سے خارج ہیں۔

اب مکرر آواز بلند کے ساتھ آپ پر کھولتا ہوں کہ سلسلہ تعامل کی حدیثیں یعنی سُنن متوارثہ متعاملہ جو عاملین اور آمرین کے زیر نظر چلی آئی ہیں اور علیٰ قدر مراتب تاکید مسلمانوں کی عملیات دین میں قرناً بعد قرنٍ وعصراً بعد عصرٍ داخل رہی ہیں وُہ ہرگز میری آویزش کا مورد نہیں اور نہ قرآن کریم کو انکا معیار ٹھہرانے کی ضرورت ہے اور اگر انکے ذریعہ سے کچھ زیادت تعلیم قرآن پر ہو تو اس سے مجھے انکار نہیں۔ ہر چند میرا مذہب یہی ہے کہ قرآن

اپنی تعلیم میں کامل ہے اور کوئی صداقت اس سے باہر نہیں کیونکہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ[1] یعنے ہم نے تیرے پر وہ کتاب اُتاری ہے جس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے۔ اور پھر فرماتا ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ[2] یعنی ہم نے اس کتاب سے کوئی چیز باہر نہیں رکھی۔ لیکن ساتھ اس کے یہ بھی میرا اعتقاد ہے کہ قرآن کریم سے تمام مسائل دینیہ کا استخراج و استنباط کرنا اور اسکی مجملات کی تفاصیل صحیحہ پر حسب منشاء الٰہی قادر ہر ایک مجتہد اور مولوی کا کام نہیں بلکہ یہ خاص طور پر انکا کام ہے جو وحی الٰہی سے بطور نبوت یا بطور ولایت عظمٰے مدد دیئے گئے ہوں۔ سو ایسے لوگوں کیلئے جو استخراج و استنباط معارف قرآنی پر بعلت غیر ملہم ہونے کے قادر نہیں ہو سکتے یہی سیدھی راہ ہے کہ وہ بغیر قصد استخراج و استنباط قرآن کے ان تمام تعلیمات کو جو سُنن متوارثہ متعاملہ کے ذریعہ سے ملی ہیں۔ بلا تامل و توقف قبول کرلیں۔ اور جو لوگ وحی ولایت عظمٰی کی روشنی سے منور ہیں اور الا المطہرون کے گروہ میں داخل ہیں ان سے بلاشبہ عادت اللہ یہی ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً دقائق مخفیہ قرآن کے ان پر کھولتا رہتا ہے اور یہ بات انپر ثابت کر دیتا ہے کہ کوئی زائد تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز نہیں دی۔ بلکہ احادیث صحیحہ میں مجملات و اشارات قرآن کریم کی تفصیل ہے سو اس معرفت کے پانے سے اعجاز قرآن کریم انپر کھل جاتا ہے اور نیز ان آیات بیّنات کی سچائی ان پر روشن ہو جاتی ہے جو اللہ جلشانہ فرماتا ہے۔ جو قرآن کریم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ اگرچہ علماء ظاہر بھی ایک قبض کی حالت کے ساتھ ان آیات پر ایمان لاتے ہیں تا ان کی تکذیب لازم نہ آوے۔ لیکن وہ کامل یقین اور سکینت اور اطمینان جو ملہم کامل کو بعد معائنہ مطابقت و موافقت احادیث صحیحہ اور قرآن کریم اور بعد معلوم کرنے اس احاطہ تام کے جو درحقیقت قرآن کو تمام احادیث پر ہے ملتی ہے وہ علماء ظاہر کو کسی طرح مل نہیں سکتی۔ بلکہ بعض تو قرآن کریم کو ناقص و ناتمام خیال کر بیٹھتے ہیں اور جن غیر محدود صداقتوں اور حقائق اور معارف پر قرآن کریم کے دائمی اور تمام تر اعجاز کی بنیاد ہے اس سے وہ منکر ہیں اور نہ صرف منکر بلکہ اپنی انکار کی وجہ سے ان تمام آیات بیّنات کو جھٹلاتے ہیں جن میں صاف صاف اللہ جلشانہ نے فرمایا ہے کہ قرآن جمیع تعلیمات دینیہ کا جامع ہے!!!

اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ میں نے سنن متوارثہ متعاملہ کو اپنے پرچہ نمبر پنجم و چہارم میں ایک علیحدہ حصہ بتصریح بیان کر دیا ہے اور میرے نمبر پنجم کے پڑھنے سے ظاہر ہوگا کہ میں نے اُن سنن متوارثہ متعاملہ کو ایک ہی درجہ یقین پر قرار نہیں دیا بلکہ میں ان کے مراتب متفاوتہ کا قائل ہوں جیسا کہ

[1] النحل : ۹۰ [2] الانعام : ۳۹

میرے نمبر پنجم کے صفحہ ۳ میں یہ عبارت ہے کہ جس قدر حدیثیں تعامل کے سلسلہ سے فیضیاب ہیں وہ حسب استفاضہ اور بقدر اپنی فیضیابی کے یقین کے درجہ تک پہنچتے ہیں یعنی کوئی ان میں سے اوّل درجہ کے یقین پر پہنچ جاتی ہے اور کوئی اوسط تک اور کوئی ادنےٰ تک جس کو ظن غالب کہتے ہیں لیکن وہ تمام حدیثیں بغیر اس کے کہ محک قرآن سے آزمائی جائیں بوجہ جمع ہونے دونوں قوتوں تعامل اور صحت روایت کے اطمینان کے لائق ہیں۔ مگر ایسی احاد حدیثیں جو سنن متوارثہ متعاملہ میں سے نہیں ہیں اور سلسلہ تعامل سے کوئی معتد بہ تعلق نہیں رکھتیں وہ اس درجہ صحت سے گری ہوئی ہیں۔ اب ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ ایسی حدیثیں صرف اخبار گزشتہ و قصص ماضیہ یا آئندہ ہیں جنکو نسخ سے بھی کچھ تعلق نہیں یہ میرا وہ بیان ہے جو میں اس تحریر سے پہلے لکھ چکا ہوں یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے کسی پرچہ میں ان دوسرے حصہ کی احادیث کا نام سنن متوارثہ متعاملہ نہیں رکھا۔ بلکہ ابتدائے تحریر سے ہر جگہ حدیث کے نام سے یاد کیا جس سے میری مراد واقعات ماضیہ و اخبار گزشتہ یا آئندہ تھیں۔ اور ظاہر ہے کہ سنن متوارثہ متعاملہ اور احکام متداولہ کے نکال لینے کے بعد جو احادیث بکلی فرضیت تعامل سے باہر رہ جاتے ہیں وہ یہی واقعات و اخبار و قصص ہیں جو تعامل کے تاکیدی سلسلہ سے باہر ہیں اور ایک نادان بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ بحث احکام کے اختلافات کی وجہ سے شروع نہیں کی گئی۔ اور میں تمام مسلمانوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے کسی ایک حکم میں بھی دوسرے مسلمانوں سے علیحدگی نہیں جس طرح سارے اہل اسلام احکام بیّنہ قرآن کریم و احادیث صحیحہ و قیاسات مسلمہ مجتہدین کو واجب العمل جانتے ہیں اسی طرح میں بھی جانتا ہوں۔ صرف بعض اخبار گزشتہ و مستقبلہ کی نسبت الہام الٰہی کی وجہ سے جسکو میں نے قرآن سے بکلی مطابق پایا ہے۔ بعض اخبار حدیثیہ کے میں اس طرح پر معنی نہیں کرتا جو حال کے علماء کرتے ہیں کیونکہ ایسے معنے کرنے سے وہ احادیث نہ صرف قرآن کریم کے مخالف ٹھیرتی ہیں بلکہ دوسری احادیث کی بھی جو صحت میں ان کے برابر ہیں۔ مغائر و مبائن قرار پاتی ہیں۔ سو دراصل یہ تمام بحث ان اخبار سے متعلق ہے جنکی نسخ کی نسبت کوئی سلف و خلف میں سے قائل نہیں۔ کوئی باسمجھ انسان ایسا نہیں جس کا یہ عقیدہ ہو کہ قرآن کریم کی وہ آیتیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر ہے حدیثوں سے منسوخ ہو چکی ہیں یا یہ عقیدہ ہو کہ حدیثیں اپنی صحت میں ان سے بڑھکر ہیں۔ بلکہ اس راہ میں بحالت انکار بجز اس طریق کے مجال کلام نہیں کہ یہ کہا جائے کہ وہ آیتیں پیش کردہ ہم حدیثوں سے مطابق کر دینگے۔ سوائے حضرت مولوی صاحب آپ ناراض نہ ہوں

کاش آپنے دیانت و امانت کو مدنظر رکھکر وہی طریق مقصود اختیار کیا ہوتا! کیا آپکو معلوم نہیں تھا کہ جو احادیث تعامل کے سلسلہ میں داخل ہوں انکو میں بحث متنازع فیہ سے باہر کر چکا ہوں؟ اور اگر معلوم تھا تو پھر کیوں آپنے گدھے کے حرام ہونے کی حدیث پیش کی؟ کیا کسی چیز کو حرام یا حلال کرنا احکام میں سے نہیں؟ اور کیا احکام اکل و شرب کے تعامل الناس سے باہر ہیں؟ اور پھر آپنے لعنت علی الواشمات والمستوشمات کی بھی حدیث پیش کر دی اور آپکو کچھ خیال نہ آیا کہ یہ تو سب احکام ہیں جن کیلئے تعامل کے سلسلہ کے نیچے داخل ہونا ضروری ہے! آپ سچ کہیں کہ ان تمام غیر متعلق باتوں سے آپنے اپنا اور سامعین کا وقت ضائع کیا یا کچھ اور کیا؟ لوگ منتظر تھے کہ اصل بحث کے سُننے سے جس کا ایک دنیا میں شور پڑ گیا ہے فائدہ اُٹھاویں اور حق اور ناحق کا فیصلہ ہو لیکن آپنے نکمی اور فضول اور بے تعلق باتیں شروع کر دیں شاید ان باتوں سے وہ لوگ بہت خوش ہوئے ہونگے جن میں اصل مقصود کی شناخت کرنے کا مادہ نہیں لیکن میں سنتا ہوں کہ حقیقت شناس لوگ آپکی اس تقریر سے سخت ناراض ہوئے اور آپکی مناظرانہ لیاقت کا مادہ انہوں نے معلوم کر لیا کہ کہاں تک ہے۔ بہر حال چونکہ آپ اپنے اس دھوکہ دینے والے مضمون کو ایک جلسہ عام میں سُنا چکے ہیں اس لئے میں مواضع مناسبہ سے آپکے اقوال قولہ۔ اقول کے طرز پر ذیل میں بیان کرتا ہوں تا منصفین پر کُھل جائے کہ کہانتک آپنے دیانت و راستی و تہذیب اور طریق مناظرہ کا التزام کیا ہے۔ و باللہ التوفیق۔

قولہ۔ آپنے میرے سوال کا جواب صاف اور قطعی نہیں دیا کہ احادیث جملہ صحیح ہیں یا جملہ موضوع یا مختلط۔

اقول۔ حضرت میں آپکو کئی دفعہ جواب دے چکا ہوں کہ حصہ دوم احادیث کا جو تعامل کے سلسلہ سے یا یُوں کہو کہ سنن متوارثہ متعاملہ سے باہر ہے صرف ظن کے درجہ پر ہے اور یہی میرا مذہب ہے اور چونکہ اس حصہ سے جو اخبار گزشتہ یا مستقلہ کی قسم میں سے ہے نسخ بھی متعلق نہیں اسلئے درحالت مخالفت نصوص بیّنہ قرآن قابل تسلیم نہیں۔ اگر کوئی ایسی حدیث نص قطعی بیّن قرآن سے مخالف ہوگی تو قابلِ تاویل ہوگی یا موضوع قرار پائیگی۔

قولہ۔ صحیح بخاری و مسلم میں کوئی حدیث ہے جو بوجہ تعارض موضوع ٹھہر سکتی ہے؟

اقول۔ بیشک حصہ دوم کے متعلق کئی ایسی حدیثیں ہیں جن میں سخت تعارض پایا جاتا ہے جیسا کہ وہی حدیثیں جو نزول ابن مریم کے متعلق ہیں کیونکہ قرآن قطعی طور پر فیصلہ دیتا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے اور صحیحین کی بعض حدیثیں بھی اس فیصلہ پر شاہد ناطق ہیں اور ایک گروہ صحابہ اور علماء امت کا بھی قرناً بعد قرنٍ اسی بات کا مقر ہے اور نصاریٰ کا یونی ٹیرین فرقہ بھی اسی بات کا قائل ہے اور یہودیوں کا بھی یہی

اعتقاد ہے اب اگر ان مخالف حدیثوں کی جو قرآن اور احادیث صحیحہ کے برخلاف ہیں ہماری طرز پر تاویل نہ کی جائے تو پھر بلاشبہ موضوع ٹھہرینگی۔ اور خود وہ حدیثیں پکار پکار کر بتلا رہی ہیں کہ ابن مریم کا لفظ ان میں حقیقت پر محمول نہیں لیکن اس زمانہ کے اکثر مولوی صاحبان اور خاصکر آپ کی مرضی معلوم ہوتی ہے کہ قرآن سے ان کی تطبیق نہ دیجائے گو وہ بوجہ اس مخالفت کے موضوع ہی ٹھہر جائیں آپکے دعویٰ تطبیق کا ہے۔ لیکن اس فضول دعویٰ کو کون سنتا ہے جبتک آپ اس بحث کو شروع کرکے تطبیق کرکے نہ دکھلائیں ایسا ہی کئی حدیثیں اور بھی ہیں جن میں سخت تعارض باہمی پایا جاتا ہے مثلاً بخاری کے صفحہ ۵۵۴ میں جو معراج کی حدیث بروایت مالک لکھی ہے وہ دوسری حدیثوں سے جو اسی بخاری میں درج ہیں بالکل مختلف ہے۔ صرف نمونہ کے طور پر دکھاتا ہوں کہ اس حدیث میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰؑ کو چھٹے آسمان پر دیکھا لیکن بخاری کے صفحہ ۴۷۱ میں ابوذر کی روایت ہے بجائے موسیٰ کے ابراہیمؑ کا چھٹے آسمان پر دیکھنا لکھا ہے! اور پھر وہ حدیث بخاری کی جو باب صلوٰۃ میں ہے اور نیز امام احمد کی مسند میں بھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج بیداری میں تھا اور اسی پر اکثر اکابر صحابہ کا اتفاق بھی ہے لیکن بخاری کی حدیث صفحہ ۴۵۵ جو مالک کی روایت سے ہے اور نیز بخاری کی وہ حدیث جو شریک بن عبداللہ سے ہے صاف بیان کر رہی ہیں کہ وہ اسرا یعنے معراج نیند کی حالت میں تھا۔ اور تینوں حدیثوں میں محل نزول جبرئیل مختلف لکھا ہے کسی میں عند البیت اور کسی میں اپنا گھر ظاہر کیا ہے اور شریک کی حدیث میں قبل ان یوحی کا لفظ بھی درج ہے جس سے سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت کی پیغمبری سے پہلے معراج ہوا تھا حالانکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ اسراء بعد بعثت ہوا ہے تبھی تو نمازیں بھی فرض ہوئیں۔ اور خود حدیث بھی بعد البعث پر دلالت کر رہی ہے جیساکہ اسی حدیث میں جبرئیل کا قول بواب السماء کے اس سوال کے جواب میں کہ اُبعِثَ۔ نعم لکھا ہے۔ ان اختلافات کا اگر یہ جواب دیا جائے کہ یہ اسرا متعدد اوقات میں ہوا ہے اسی وجہ سے کبھی موسیٰؑ کو چھٹے آسمان میں دیکھا اور کبھی ابراہیم کو تو یہ تاویل رکیک ہے کیونکہ انبیاء اور اولیاء بعد موت کے اپنے اپنے مقامات سے تجاوز نہیں کرتے جیساکہ قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے۔

ماسوا اسکے معراج کے متعدد ماننے میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ بعض احکام ناقابل تبدیل اور مستمرہ کا فضول طور پر منسوخ ماننا پڑتا ہے اور حکیم مطلق کو ایک لغو اور بے ضرورت تنسیخ کا مرتکب قرار دیکر پھر پشیمانی کے طور پر پہلے ہی حکم کی طرف عود کرنیوالا اعتقاد کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر قصہ معراج کئی مرتبہ

واقع ہوا ہی جیسا کہ احادیث کا تعارض دُور کرنے کیلئے جواب دیا جاتا ہی تو پھر اس صورت میں یہ اعتقاد ہونا چاہئیے کہ مثلاً پہلی دفعہ کی معراج کے وقت میں نمازیں پچاس فرض کی گئیں اور ان پچاس میں تخفیف کرانے کیلئے کئی مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ اور اپنے رب میں آمد و رفت کی۔ یہانتک کہ پچاس نماز سے تخفیف کراکر پانچ منظور کرائیں اور خدا تعالیٰ نے کہدیا کہ اب ہمیشہ کیلئے غیر مبدل یہ حکم ہو کہ نمازیں پانچ مقرر ہوئیں۔ اور قرآن پانچ کیلئے نازل ہوگیا۔ پھر دوسری دفعہ کی معراج میں بھی جھگڑا پھر از سر نو پیش آگیا کہ خدا تعالیٰ نے پھر نمازیں پچاس مقرر کیں اور قرآن میں جو حکم وارد ہوچکا تھا اس کا کچھ بھی لحاظ نہ رکھا اور منسوخ کر دیا مگر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ کے معراج کی طرح پچاس نمازوں میں کچھ تخفیف کرانے کی غرض سے کئی دفعہ حضرت موسیٰ اور اپنے رب میں آمد و رفت کرکے نمازیں پانچ مقرر کرائیں اور جناب الٰہی سے ہمیشہ کیلئے یہ منظور ہوگئی کہ نمازیں پانچ پڑھا کریں اور قرآن میں یہ حکم غیر تبدیل قرار پاگیا لیکن پھر تیسری دفعہ کے معراج میں وہی پہلی مصیبت پھر پیش آگئی اور نمازیں پچاس مقرر کی گئیں اور قرآن کریم کی آیتیں جو غیر متبدل تھیں منسوخ کی گئیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی دِقّت اور بار بار کی آمد و رفت سے پانچ نمازیں منظور کرائیں مگر منسوخ شدہ آیتوں کے بعد پھر کوئی نئی آیت نازل نہ ہوئی !!! اب کیا یہ سمجھ آسکتا ہی کہ خدا تعالیٰ ایک دفعہ تخفیف کرکے پھر پانچ سی پچاس نمازیں بنادے اور پھر تخفیف کرے اور پھر پچاس کی پانچ ہو جائیں ! اور بار بار قرآن کی آیتیں منسوخ کی جائیں اور حسب منشاء نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا[1] اور کوئی آیت ناسخ نازل نہ ہو ! درحقیقت ایسا خیال کرنا وحی الٰہی کے ساتھ ایک بازی سے ! جن لوگوں نے ایسا خیال کیا تھا انکا مدعا یہ تھا کہ کسی طرح تعارض دُور ہو۔ لیکن ایسی تاویلوں سے ہرگز تعارض دُور نہیں ہوسکتا بلکہ اور بھی اعتراضات کا ذخیرہ بڑھتا ہے ایسا ہی اور کئی حدیثوں میں تعارض ہے۔

قولہ۔ آپ لکھتے ہیں کہ احادیث کے دو حصے ہیں اوّل وہ حصہ جو تعامل میں آچکا ہی جس میں وہ تمام ضروریات دین اور عبادات اور معاملات اور احکام شرع داخل ہیں دُوسرا وہ حصہ جو تعامل سی تعلق نہیں رکھتا یہ حصہ یقینی طور پر صحیح نہیں ہے اور اگر قرآن سی مخالف نہ ہو تو صحیح تسلیم ہوسکتا ہی اس قول سے ثابت ہوتا ہی کہ آپ فن حدیث اور اصول روایات اور قوانین درایت سی محض ناواقف ہیں اور مسائل اسلامیہ سے ناآشنا۔

[1] البقرۃ : ۱۰۷

اقول۔ آپ کا یہ ثابت کرنا اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ علاوہ حدیث دانی کے سخن فہمی کا بھی آپ کو بہت سا ملکہ ہے۔* ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ مَیں نے جو کچھ اپنی پہلی تحریروں کے نمبر چہارم و پنجم میں بیان کیا ہے وہ عام لوگوں کے سمجھانے کیلئے ایک عام فہم عبارت ہے اسی لئے مَیں نے اہل حدیث کی اصطلاح سے کچھ سروکار نہیں رکھا۔ کیونکہ جو مضمون عام جلسہ میں پڑھا جائے وہ حتی الوسع عوام کے فہم اور استعداد کے موافق ہونا چاہیئے نہ کہ ملاؤں کی طرح لفظ لفظ میں اپنے علم کی نمائش ہو۔ اور یہ بات ہر ایک کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ فی الواقعہ احادیث کے دو ہی حصے ہیں ایک وہ جو احکام اور ایسے امور سے متعلق ہیں جو اصل تعلیم اسلام اور تعامل سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک وہ جو حکایات اور واقعات اور قصص اور اخبار ہیں جن کا سلسلہ تعامل سے کچھ ایسا ضروری تعلق قرار نہیں دیا گیا سو مَیں نے ضروریات دین کے لفظ سے انہی امور کو مراد لیا ہے جن کا سلسلہ تعامل سے ضروری تعلق ہے اور آپ اپنی حدیث دانی دکھلانے کے لئے اس صاف اور سیدھی تقریر پر بیجا مواخذہ کرنا چاہتے ہیں اور ناحق ضروریات کے لفظ کو پکڑ لیا ہے۔ کیا آپ کو اس بات کا بھی علم نہیں کہ ہر ایک شخص اپنے لئے اصطلاح قرار دینے کا مجاز ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ اگر ضروریات سے مراد امور متعلقہ حاجت ہوں تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث خارج و مستثنیٰ نہیں رہتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دین میں فرمایا ہے وُہ دینی حاجت اور ضرورت کے متعلق ہے لیکن افسوس کہ آپ دانستہ حق پوشی کر رہے ہیں آپ خوب جانتے ہیں کہ اخبار و قصص کو جو امر متنازعہ فیہ ہے سلسلۂ تعامل سے کوئی معتدبہ تعلق نہیں جو کچھ ہمیں مسلمان بننے کیلئے ضرورتیں ہیں وہ احکام فرمودہ اللہ اور رسول سے حاصل ہیں اور وہی احکام تعامل کی صورت میں عصرًا بعد عصرٍ صادر ہوتے رہتے ہیں مسلم اور بخاری میں کئی جگہ بنی اسرائیل کے قصے اور انبیاء اور اولیاء اور کفار کی بھی حکائتیں ہیں جنہیں بجز خاص خاص لوگوں کے جو فن حدیث کا شغل رکھتے ہیں دوسروں کو اطلاع تک نہیں اور نہ حقیقت اسلامیہ کی تحقیق کے لئے ان کی اطلاع کچھ ضروری ہے۔ سو وہی اور اسی قسم کے

حاشیہ

* حضرت مرشدنا! مولوی صاحب کی سخن فہمی اور سخن دانی کا ایک یہ خاکسار بھی قائل ہے اور ثبوت میں مولوی صاحب کا یہ نادر شعر پیش کرتا ہوں۔

آنکس کہ خود ز ضعف و مرض لاغری کند ۔ اللہ اللہ! صدق من قال وہو القائل العزیز وقالوا قلوبنا فی اَکِنَّۃٍ مما تدعونا الیہ وفی اٰذاننا وقر[۱]۔ الآیۃ ۔ ایڈیٹر۔

[۱] حٰمٓ السجدۃ: ۶

اور امور ہیں جن کا نام میں احادیث مجردہ رکھتا ہوں سنن متوارثہ کے نام سے انہیں موسوم نہیں کرتا اور وہی ہیں جو سلسلہ تعامل سے خارج ہیں اور مسلمانوں کو تعامل کی حدیثوں کی طرح ان کی کوئی بھی ضرورت نہیں اگر اسی مجلس میں بعض قصص بخاری یا مسلم کے حاضر الوقت مسلمانوں سے دریافت کی جائیں تو ایسے آدمی بہت ہی تھوڑے نکلیں گے جنکو وہ تمام حالات معلوم ہوں بلکہ بجز کسی ایسے شخص کے جو اپنی معلومات کے بڑھانے کی غرض سے دن رات احادیث کا شغل رکھتا ہے اور کوئی نہیں ہے جو بیان کرسکے لیکن ہر ایک مسلمان ان تمام احکام اور فرائض کو جو ہم پہلے حصہ میں داخل کرتے ہیں عملی طور پر یاد رکھتا ہے کیونکہ وہ مسلمان بننے کی حالت میں دائمی طور پر اسکو کرنی پڑتی ہیں یا کبھی کبھی کرنے کیلئے وہ مجبور کیا جاتا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ تعامل کے متعلق جو احکام ہیں وہ سب ثبوت کے لحاظ سے ایک درجہ پر نہیں جن امور کی مواظبت اور مداومت بلا فتور واختلاف چلی آئی ہے وہ اوّل درجہ پر ہیں اور جسقدر احکام اپنے ساتھ اختلاف لیکر تعامل کے دائرہ میں داخل ہوئے ہیں وہ بحسب اختلاف اس پہلے نمبر سے کم درجہ پر ہیں مثلاً رفع یدین یا عدم رفع یدین جو دو طور کا تعامل چلا آتا ہے ان دونوں طوروں سے جو تعامل قرن اوّل سے آجتک کثرت سے پایا جاتا ہے اس کا درجہ زیادہ ہوگا اور باایںہمہ دوسرے کو بدعت نہیں ٹھہرائینگے بلکہ ان دونوں عملوں کی تطبیق کی غرض سے یہ خیال ہوگا کہ باوجود مسلسل تعامل کے پھر اس اختلاف کا پایا جانا اس بات پر دلیل ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہفت قرأت کی طرح طرق ادائے صلوٰۃ میں رفع تکلیف اُمت کیلئے وسعت دیدی ہوگی اور اس اختلاف کو خود دانستہ رخصت میں داخل کردیا ہوگا تا امت پر حرج نہ ہو۔ غرض اسمیں کون شک کرسکتا ہے کہ سلسلۂ تعامل سے احادیث نبویہ کو قوت پہنچتی ہے اور سنت متوارثہ متعاملہ کا انکو لقب ملتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ نمبر اول پر سلسلہ تعامل احکام ہے وہ اختلاف سے بکلّی محفوظ ہے۔ کوئی مسلمان اس بات میں اختلاف نہیں رکھتا کہ فریضہ صبح کی ۲ دو رکعت اور مغرب کی تین اور ظہر اور عصر اور عشاء کی چار چار اور کسی کو اس بات میں اختلاف نہیں کہ ہر ایک نماز میں بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو قیام اور قعود اور سجدہ اور رکوع ضروری ہیں اور سلام کے ساتھ نماز سے باہر آنا چاہیئے ایسا ہی خطبہ جمعہ اور عیدین اور عبادت اور اعتکاف عشرہ اخیرہ رمضان اور حج اور زکوٰۃ ایسے امور ہیں جو ببرکت تعامل اپنے نفس وجود میں محفوظ چلی آتی ہیں اور ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ ہر ایک حکم نبوی اور تعلیم مصطفوی یکساں طور پر سلسلہ تعامل میں آگئی ہے ہاں جو کامل طور پر آگیا ہے وہ کامل طور پر ثبوت کا نور اپنے ساتھ رکھتا ہے ورنہ جسقدر یا جس مرتبہ تک کوئی حکم سلسلہ تعامل سے فیضیاب ہوا ہے اسی قدر ثبوت اور یقین کے رنگ سے رنگین ہوگیا ہے۔

قولہ۔ آپنے جو سلامت فہم راوی شرط ٹھہرایا ہی یہ آپکے فنون حدیث کی ناواقفی پر دلیل ہی فہم معنے ہر ایک حدیث کی روایت کیلئے شرط نہیں ہی بلکہ خاصکر اس حدیث کی روایت کے لئے شرط ہی جسمیں بالمعنے روایت ہو۔

اقول۔ حضرت مَیں نے سلامت فہم کو شرط ٹھہرایا ہے نہ فہم معنی کو خدا تعالیٰ آپ کو سلامت فہم※ بخشے۔ سلامت فہم تو یہ ہے کہ قوت مدرکہ میں کوئی آفت نہ ہو۔ اختلال دماغ نہ ہو۔ اور یہ بھی سراسر آپ کی کم فہمی معلوم ہوتی ہے کہ حدیث کے راویوں نے محض الفاظ سے غرض رکھی ہی یہ ظاہر ہے کہ جبتک لفظ کے سننے سے اس کے معنی کی طرف ذہن انتقال نہ کرے مجرد الفاظ بغیر معانی کے یاد ہوں جیسے ایک شخص انگریزی سے محض ناآشنا اس کے چند لفظ سُنکر یاد کرلیوے ایسا شخص مبلّغین میں داخل نہیں ہوسکتا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت کی احادیث کے مبلّغ تھے اور تبلیغ کے لئے کم سے کم اس قدر تو فہم ضروری ہے کہ لغوی طور پر ان عبارتوں کے معنے معلوم ہوں۔ اور جو شخص اس قدر فہم بھی نہیں رکھتا کہ مجھے جو دُوسرے تک پہنچانے کے لئے ایک بات کہی گئی وہ کس زبان میں ہے۔ کیا عربی ہی یا انگریزی یا ترکی یا عبری اور اسکے معنے کیا ہیں ایسا شخص کیا خاک اس پیغام کی تبلیغ کریگا۔ اور اگر حدیثوں کے ایسے ہی مبلّغ تھے کہ ان کیلئے ذرّہ بھی یہ شرط نہیں تھی کہ الفاظ کے لغوی معنی بھی انہیں معلوم ہوں تو ایسے مبلّغوں سے خداحافظ※ اور ایسوں سے جو فن حدیث کی شان کو دھبہ لگتا ہی وہ پوشیدہ نہیں۔ جو شخص ایک ایسا پیغام پہنچاتا ہی جو بکلّی قوت مدرکہ اسکے اس پیغام کے الفاظ سمجھنے سے بے نصیب ہے وہ ان الفاظ کے یاد رکھنے میں بھی کب اور کیونکر محفوظ رہ سکتا ہی؟ جیسے وہ شخص جو انگریزی زبان سے بکلّی ناواقف ہے وہ انگریزی عبارتوں کو کئی مرتبہ سُنکر بھی یاد نہیں رکھ سکتا بلکہ ایک لفظ بھی اس لہجہ پر ادا نہیں کرسکتا اور یہ آپکا دعویٰ بھی بالکل فضول ہی کہ حدیثیں بعینہٖ الفاظ سے نقل ہوئی ہیں بجز اس صورت کے کہ صحابی نے بالمعنے

حاشیہ ۱
※ اسکی تو بہت کم توقع ہی اب ضرور ہی کہ عجلت مزاج مولوی صاحب ان تمام عواقب اور عوارض اور لوازم کو اپنے اُوپر وارد ہوتا دیکھیں جو ایک اولوالعزم جری اللہ ولی اللہ کی مخالفت معادات کا اٹل نتیجہ ہیں سچ ہی من عادیٰ لی ولیًا فقد اٰذنتہ بالحرب۔ سلامت طبع۔ سلامت حواس اور معقول پسندی بالمرہ مولوی صاحب سے رخصت ہوگئی ہے اور انکی تحریرات موجودہ اسکی شاہد ہیں۔ ایڈیٹر۔

حاشیہ
※ مولوی صاحب کے ہوش وحواس کو کیا ہوگیا۔ مولوی صاحب نے اسوقت نادان دوست کا رُوپ بھرا ہوا ہی۔ خدارا وہ غور کریں کہ وہ علیٰ غفلت حدیث کی حمایت کی آڑ میں اسکی تردید کررہے ہیں۔ ایڈیٹر۔

حکایت کا اقرار کر دیا ہو کیونکہ اگر آپکا یہی اعتقاد ہی تو آپ پر بڑی مصیبت پڑیگی اور آپ اس تعارض کو جو محض الفاظ کے اختلاف کیوجہ سے جو بعض حدیثوں میں پیدا ہوتا ہی کسی طرح دُور نہیں کر سکیں گے۔ مثلاً بخاری کی انہیں حدیثوں کو دیکھو جن میں قطع اور جزم کے طور پر بعض جگہ معراج کی رات میں حضرت موسیٰ کو چھٹے آسمان میں بتلایا ہے اور بعض جگہ حضرت ابراہیم کو۔ پھر جس حالت میں باقرار آپکے احادیث کے مبلغ فہم احادیث سے فارغ تھے یعنی ان کیلئے ان الفاظ کا سمجھنا جو انکے منہ سی نکلے تھے ضروری نہیں تھا۔ اور حافظہ کا یہ حال تھا کہ کبھی موسیٰ کو چھٹے آسمان پر جگہ دی اور کبھی ابراہیم کو تو پھر ایسے مبلغین کی وہ شہادتیں جو حدیث کے ذریعہ سے انہوں نے پیش کیں کسقدر وزن رکھتی ہیں! جائے شرم ہے! آپ کیوں ناحق ان بزرگوں پر ایسے الزام لگاتے ہیں جو معمولی انسانیت سے بھی بعید ہوں صاف ظاہر ہی کہ جس کی قوتِ فہم بکلّی مسلوب ہو وہ نیم مجنون یا مدہوش کا حکم رکھتا ہی ایسا کون عقلمند ہی کہ ایسے مخبط الحواس کے مُنہ سی کوئی حدیث سُنکر پھر اسکو واجب العمل قرار دے یا اسکے ساتھ قرآن پر زیادت جائز ہو! افسوس کہ آپنے یہ بھی نہیں سمجھا کہ اگر سلامت فہم راوی کیلئے شرط نہیں تو پھر عدم سلامت فہم جو فساد عقل کے ہم معنے ہیں کسی راوی میں پایا جانا جائز ہوگا۔ اس صورت میں مجانین اور سکاری کی روایت بلا دغدغہ جائز اور صحیح ہوگی! کیونکہ سلامت فہم سی مراد یہ ہی کہ قوت فاہمہ باطل اور مختل نہ ہو۔ آپ اپنے بیان میں راوی کیلئے عدل کی شرط لگاتے ہیں اور صفت عدل کی صفت سلامت فہم کے تابع ہی اگر سلامت فہم میں آفت ہو صفت درست فہمی میں اختلال راہ پاوے تو پھر کسی کے قول اور فعل میں عدل بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ ہمیشہ عدل کو سلامت فہم مستلزم ہے اب بھی اگر آپ ضد سی باز نہ آئیں تو پھر آپ پر فرض ہوگا کہ آپ کسی معتبر کتاب کا حوالہ دیں جس سی ثابت ہو جو مختل الفہم لوگوں کی روایت بھی محدثین کے نزدیک قبول کے لائق ہی تا آپکی حدیث دانی ثابت ہو۔ ورنہ وہ تمام الفاظ عدم علم جو اپنی عادت کی لاچاری سی آپ اس عاجز کی نسبت استعمال کرتے ہیں آپ پر وارد ہونگے اور میں تو محدثین کا متبع اور شاگرد ہو کر گفتگو نہیں کرتا تا میرے لئے ان کے نقش قدم پر چلنا یا انکی اصطلاحوں کا پابند ہونا ضروری ہو بلکہ الٰہی تفہیم سی گفتگو کرتا ہوں۔ لیکن میں آپکے اس بار بار کی تحقیر کے الفاظ سی جو آپ فرماتے

ف ۱ ش ۱

[1] کیا کوئی کہہ سکتا ہی کہ محدثین کی اصطلاحات توقیفی ہیں اور شارع علیہ السلام کی تصدیق کی مُہر انپر لگی ہوئی ہی۔ اس میں شک نہیں کہ جیسے اور علوم وفنون کی مصطلحات انسانوں نے اپنے ذہنوں کی صفائی سی تراشی ہیں۔ اس مقدس

ہیں جو تم فن حدیث سے محض نا آشنا ہو کچھ آپ پر افسوس نہیں کرتا کیونکہ جس حالت میں آپ اس استخفاف کی عادت سے ایسے مجبور ہیں کہ امام بزرگ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی جنہوں نے بعض تابعین کو بھی دیکھا تھا اور جو علم دین کے ایک دریا تھے آپکی تحقیر سے بچ نہیں سکے[1]۔ اور آپنے ان کی نسبت بھی کہدیا کہ باوجود قرب مکان اور زمان حدیث نبوی کے پانے سے محروم رہے اور ناچاری سے قیاسی اٹکلوں پر گزارہ رہا تو پھر اگر مجھے

حاشیہ ۱/۱: علم کی (جسپر بوجہ امتداد زمانہ اور اختلافات فرق۔ اور بنی عباس۔ اور بنی امیہ۔ بنی فاطمہ کی باہمی خانہ جنگیوں اور بغض و معاندت کی سخت تاریکی چھائی تھی) تحقیق و تنقید کیلئے جودت فہم سونہ الہام الٰہی اور وحی سے اصول اور قواعد تراشے۔ بنا برآں ہرگز ضروری نہیں کہ ایک مؤید من اللہ اور ملہم اور صاحب الوحی شخص کو انکی پابندی لازمی ہو۔ ایڈیٹر۔

حاشیہ ۱/۱: [1] ٹھیک اسی طرح پر جس طرح جناب مسیح علیہ السلام کی نسبت سنگدل یہودنے نہایت حقارت سے ذکر کرنا اور ان پر ناگفتہ بہ الزامات لگانے کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا اور کوئی بھی صاحب بصیرت اور غیرت کا حامی ایسا نہ تھا جو جناب روح اللہ کی عزت و آبرو کو ان بے ایمانوں کے ہاتھ سے بچانے کی کوشش کرتا اور آخر کار بنی ادم کا ایک حقیقی خیرخواہ اور تمام راستبازوں کا زبردست حامی (اللھم صل علیہ وعلیٰ آلہ واجعلنی فداہ ووفقنی لاشاعۃ ماجاء بہ صلے اللہ علیہ وسلم) دنیا میں آیا جس نے وجیھا فی الدنیا والاخرۃ ومن المقربین[1] کی بشارت سنا کر انکی کھوئی ہوئی عزت کو پھر بحال کیا۔ امام ابوحنیفہؒ کی سخت بے عزتی سخت حقارت۔ سخت ہتک اس سنگدل۔ خشک اور بے مغز گروہ (غیر مقلدین) نے اپنی تحریرات و تقریرات میں کی۔ انکے علم و فضل۔ انکی کتاب و سنت کی واقفیت پر بڑی جرات سے نکتہ چینیاں کیں۔ آخر اسی احمد محمد (علیہ افضل الصلوٰت والتسلیمات) کا خادم اور سچا خادم آیا اور ایک خدا کے برگزیدہ بندے حقیقی متبع السنہ کی عزت و آبرو کو چند بیباک شوخوں شیخوں کی دست برد سے بچایا۔ اور یہ بات قدرتی طور پر اسلئے ہوئی کہ اس مسیح موعود علیہ السلام کو حضرت امام ہمام ابوحنیفہ سے ایک زبردست مشابہت اور تامہ مطابقت ہے کیونکہ جناب امام رحمۃ اللہ بھی قرآن کریم سے استنباط و استخراج مسائل کے کرنے میں ممتاز ملکہ اور خاص خداداد استعداد رکھتے تھے اور تا بمقدور تمام مسائل و واقعات پیش آمدہ کا مدار و مناط قرآن کریم ہی کو بناتے تھے اور بہت کم اور نہایت ہی کم احادیث کیطرف توجہ انکے غیر محفوظ ہونے اور اضطراب و ضعف کے سبب توجہ کرتے تھے ایسا ہی ہمارے مرشد و ہادی حضرت مرزا صاحب بھی قرآن کریم سے دقائق و معارف اور علوم الٰہیہ کے استنباط کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اور قرآن کریم کے ساتھ جو شرک کیا گیا ہے

[1] آل عمران: ۴۶

بھی آپ انھیں القاب سے ملقب کریں تو در اصل مجھے خوشی کرنی چاہیئے کہ جو کچھ امام صاحب کی نسبت آپکی زبان نے حق درازی کا دکھلایا وہی باتیں میرے حق میں بھی ظہور میں آئیں۔

قولہ۔ شاید آپ کہینگے کہ احادیث سبھی بالمعنی روایت ہوتی ہیں جیساکہ آپکے مقتدا سیّد احمد خاں نے کہا ہے جس کی تقلید سے آپنے قرآن کو معیار صحت احادیث ٹھیرایا۔

اقول۔ یہ آپکا سراسر افترا ہے کہ سیّد احمد خاں کو اس عاجز کا مقتدا ٹھہراتے ہیں۔ میرا مقتدا اللہ جلّ شانہٗ کا کلام ہے اور پھر اسکے رسول کا کلام۔ مَیں نے کس وقت کہا ہے کہ احادیث سبھی بالمعنی روایت ہوتی ہیں؟ بلکہ میرا تو یہ مذہب ہے کہ حتی الوسع صحابہ اہتمام حفظ اصل الفاظ نبی علیہ السلام کیلئے ساعی تھے تا ہر یک شخص ان متبرک الفاظ پر غور کرسکے اور نبی علیہ السلام کا اصل مطلب سمجھنے کیلئے وُہ الفاظ موجود ہوں، ہاں ان کی روایتوں پر اور ایسا ہی دُوسروں کی روایت پر اعتماد کامل کرنیکے لئے سلامت فہم ضروری شرط ہے کیونکہ اگر فہم میں بباعث پیرانہ سالی یا اختلال دماغ کے کوئی آفت پیدا ہو جائے تو مجرد حفظ

نقد ۱/۱

کہ اس کی حقیقی عزّت اور بلا اشتراک عزّت اس سے چھین کر اور غیر معصوم کتابوں کو دی گئی ہے اس ناقابلِ مغفرت شرک مٹانے کے لئے آئے ہیں خاکسار کے روبرو بڑی مجلس میں حضور نے فرمایا تھا کہ اگر دُنیا کی تمام کتابیں۔ فقہ۔ حدیث۔ علم کلام وغیرہ وغیرہ جو انسان کی تمدنی۔ معاشرتی۔ مجلسی اور سیاسی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور جنہیں لوگ ضروری اور لابدی کہتے ہیں بالفرض دُنیا سے یک قلم اُٹھا دی جائیں مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ مَیں اللہ کی مدد و توفیق سے ان تمام ضروریات اور متجددہ احتیاجات کو قرآن کریم سے استنباط پورا کرکے دکھا دُونگا۔ سُبحان اللہ! واقعی آپ کا دعویٰ بجا دیکھا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ براہین احمدیہ اور بالآخر ازالہ اوہام کے پڑھنے والے اس دعوے کی تصدیق میں ذرا بھی تذبذب نہ دکھائیں گے۔ کہاں اور کس تفسیر و کتاب میں وہ عجائب نکات و دقائق ہیں جو اس مجدّد۔ محدّث اور جری اللہ نے قرآن کریم سے نکال کر دکھائے ہیں؟ یہ الزام تراشنا کہ امام ہمام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف حنفیوں کو خوش کرنے کے لئے کی گئی ہے اس قابل ہے کہ اسکے جواب سے اعراض کیا جائے۔ اس لئے کہ ہر ایک عقلمند جانتا ہے کہ مرزا صاحب اپنے بلند اور سچے دعاوی سے کہاں تک ملل و نحل کو خوش کر رہے ہیں۔ (ایڈیٹر)

الفاظ کافی نہیں بلکہ اس صورت میں تو الفاظ میں بھی شک پڑتا ہے کہ شاید اختلال دماغ کے سبب سے اسمیں بھی کچھ تصرف ہوگیا اور قرآن کریم کے معیار بنانے سے آپ کیوں چڑتے ہیں؟ جبکہ قرآن حق و باطل میں فرق کرنے کیلئے آیا ہے۔ پھر اگر وہ معیار نہیں تو اور کیا ہے؟ بلاشبہ قرآن کریم تمام صداقتوں پر حاوی ہے اور تمام علوم میں جہانتک صحت سے انکو تعلق ہے قرآن کریم میں پائے جاتے ہیں لیکن وہ عظمتیں اور وہ کمالات جو قرآن میں ہیں مطہرین پر کھلتے ہیں جنکو وحی الٰہی سے مشرف کیا جاتا ہے اور ہر ایک شخص تب مومن بنتا ہے جب سچے دل سے اس بات کا اقرار کرے کہ درحقیقت قرآن کریم احادیث کیلئے جو راویوں کے دخل سے جمع کی گئی ہیں معیار ہے گو اس معیار کے تمام استعمال پر عوام کو فہمی قدرت حاصل نہیں صرف اخص لوگوں کو حاصل ہے لیکن قدرت کا حاصل نہ ہونا اور چیز ہے اور ایک چیز کا ایک کیلئے واقعی طور پر معیار ہونا یہ اور امر ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ جو صفات اللہ جلّ شانہٗ نے قرآن کریم کیلئے آپ بیان فرمائی ہیں۔ کیا ان پر ایمان لانا فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر فرض ہے تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس سبحانہٗ نے **قرآن کریم** کا نام عام طور پر **قول فصل** اور **فرقان** اور **میزان** اور **امام** اور **نور** نہیں رکھا؟ اور کیا اس کو جمیع اختلافات کے دور کرنے کا آلہ نہیں ٹھہرایا؟ اور کیا یہ نہیں فرمایا کہ اس میں ہر ایک چیز کی تفصیل ہے؟ اور ہر ایک امر کا بیان ہے اور کیا یہ نہیں لکھا کہ اس کے فیصلہ کے مخالف کوئی حدیث ماننے کے لائق نہیں؟ اور اگر یہ سب باتیں سچ ہیں تو کیا مومن کیلئے ضروری نہیں جو اُن پر ایمان لاوے اور زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرے؟ اور واقعی طور پر اپنا یہ اعتقاد رکھے کہ حقیقت میں قرآن کریم معیار اور حکم اور امام ہے۔ لیکن محجوب لوگ قرآن کریم کے دقیق اشارات اور اسرار کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے اور اس سے مسائل شرعیہ کا استنباط اور استخراج کرنے پر قادر نہیں اسلئے وہ احادیث صحیحہ نبویہ کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ گویا وہ قرآن کریم پر کچھ زوائد بیان کرتی ہیں یا بعض احکام میں ان کی ناسخ ہیں۔ اور نہ زوائد بیان کرتی ہیں۔ بلکہ قرآن شریف کے بعض مجمل اشارات کی شارح ہیں۔ قرآن کریم آپ فرماتا ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا[1]۔ یعنی کوئی آیت ہم منسوخ یا منسی نہیں کرتے جس کے عوض دوسری آیت ویسی ہی یا اس سے بہتر نہیں لاتے۔ پس اس آیت میں قرآن کریم نے صاف فرمادیا ہے کہ نسخ آیت کا آیت سے ہی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وعدہ دیا ہے کہ نسخ کے بعد ضرور آیت منسوخہ کی جگہ آیت نازل ہوتی ہے۔ ہاں علماء نے مسامحت کی راہ سے بعض احادیث کو بعض آیات کی ناسخ ٹھہرایا ہے جیساکہ حنفی فقہ کے رو سے مشہور حدیث سے آیت

[1] البقرۃ : ۱۰۷

منسوخ ہوسکتی ہی مگر امام شافعی اس بات کا قائل ہی کہ متواتر حدیث سی بھی قرآن کا نسخ جائز نہیں۔ اور بعض محدثین خبر واحد سے بھی نسخ آیت کے قائل ہیں لیکن قائلین نسخ کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر حدیث سی آیت منسوخ ہو جاتی ہی بلکہ وہ لکھتے ہیں کہ واقعی امر تو یہی ہی کہ قرآن پر نہ زیادت جائز ہی اور نہ نسخ کسی حدیث سی لیکن ہماری نظر قاصر میں جو استخراج مسائل قرآن سی عاجز ہی یہ سب باتیں صورت پذیر معلوم ہوتی ہیں اور حق یہی ہی کہ حقیقی نسخ اور حقیقی زیادت قرآن پر جائز نہیں۔ کیونکہ اس سی اسکی تکذیب لازم آتی ہی۔ نور الانوار جو حنفیوں کے اصول فقہ کی کتاب ہے اسکے صفحہ ۹۱ میں لکھا ہی روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحث معاذ الی الیمن قال له بما تقضی یا معاذ فقال بکتاب اللہ قال فان لم تجد قال بسنۃ رسول اللہ قال فان لم تجد قال اجتہد برائی فقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسوله بما یرضی به رسوله لا یقال انه یناقض قول اللہ تعالیٰ ما فرّطنا فی الکتاب من شئ فکلّ شئ فی القرآن فکیف یقال فان لم تجد فی کتاب اللہ لانا نقول ان عدم الوجد ان لا یقتضی عدم کونه فی القرآن ولهذا قال صلی اللہ علیه وسلم فان لم تجد و لم یقل فان لم یکن فی الکتاب۔ اس عبارت مذکورہ بالا میں اس بات کا اقرار ہے کہ ہر ایک امر دین قرآن میں درج ہی۔ کوئی چیز اس سے باہر نہیں اور اگر تفاسیر کے اقوال جو اس بات کے مؤید ہیں بیان کئے جائیں تو اس کیلئے ایک دفتر چاہیئے۔ لہذا اصل حق الامر یہی ہی کہ جو چیز قرآن سی باہر یا اسکے مخالف ہی وہ مردود ہے اور احادیث صحیحہ قرآن سے باہر نہیں۔ کیونکہ وحی غیر متلو کی مدد سے وہ تمام مسائل قرآن سے مستخرج اور مستنبط کئے گئے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ وہ استخراج اور استنباط بجز رسول اللہ یا اسی شخص کے جو ظلی طور پر ان کمالات تک پہنچ گیا ہو ہر یک کا کام نہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جن کو ظلی طور پر عنایات الٰہیہ نے وہ علم بخشا ہو جو اسکے رسول متبوع کو بخشا تھا وہ حقائق و معارف دقیقہ قرآن کریم پر مطلع کیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہ کا وعدہ ہے لا یمسّہ الا المطھّرون[1] اور جیسا کہ وعدہ ہے۔ یؤتی الحکمۃ من یشآء ومن یؤتَ الحکمۃ فقد اوتی خیرًا کثیرًا۔[2] اس جگہ حکمت سے مراد علم قرآن ہے۔ سو ایسے لوگ وحی خاص کے ذریعہ سے علم اور بصیرت کی راہ سے مطلع کئے جاتے ہیں اور صحیح اور موضوع میں اس خاص طور کے قاعدہ سی تمیز کر لیتے ہیں۔ گو عوام اور علماء ظواہر کو اس کی طرف راہ نہیں لیکن ان کا اعتقاد بھی تو یہی ہونا چاہیئے کہ قرآن کریم بے شک احادیث مرویہ کے لئے بھی

[1] الواقعۃ : ۸۰ [2] البقرۃ : ۲۷۰

معیار اور محک ہے، گو عام طور پر بوجہ عدم بصیرت اس معیار سے وہ کام نہیں لے سکتے۔ لیکن حدیث کے دونوں حصوں میں جو ہم بیان کر آئے ہیں حصّہ ثانی کی نسبت جو اخبار اور واقعات اور قصص اور وعدے وعید وغیرہ ہیں جنپر نسخ جاری نہیں بیشک وہ کھلے کھلے طور پر قرآن کریم کے محکمات اور بیّنات اور قطعی اور یقینی فیصلجات کو احادیث مرویہ کے پرکھنے کیلئے محک اور معیار ٹھہرا سکتے ہیں بلکہ ضرور ٹھہرانا چاہیئے تا وہ اس علم سے مستفید ہو جائیں جو انکو دیا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کی محکمات اور بیّنات علم ہے اور مخالف قرآن کے جو کچھ ہے وہ ظن ہے۔ اور جو شخص علم ہوتے ہوئے ظن کا اتباع کرے وہ اس آیت کے نیچے داخل ہے مالھم بذالك من علم[1] ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون[2]

قولہٗ۔ آپنے جو باستدلال آیت وان الظن لایغنی من الحق شیئاً احادیث پر اعتراض کیا ہے یہ آپکی ناواقفی پر مبنی ہے۔

اقول۔ آپ کیوں بار بار اپنی نافہمی ظاہر کرتے ہیں میرا عام طور پر احادیث پر اعتراض نہیں بلکہ اُن احادیث پر اعتراض ہے جو ادلہ قطعیہ بیّنہ صریحہ قرآن کریم سے مخالف ہوں۔

قولہٗ۔ علماءِ اسلام کا حنفی ہوں یا شافعی اہلحدیث ہوں یا اہل فقہ اس بات پر اتفاق ہے کہ خبر واحد صحیح ہو تو واجب العمل ہے۔

اقول۔ آپکی علمیّت اور لیاقت اور واقفیت بات بات میں ظاہر ہو رہی ہے حضرت سلامت حنفیوں کا ہرگز یہ مذہب نہیں کہ مخالفت قرآن کی حالت میں خبر واحد واجب العمل ہے اور نہ شافعی کا یہ مذہب ہے، بلکہ فقہ حنفیہ کا تو یہ اصول ہے کہ جبتک اکثر قرنوں میں تو اتر حدیث کا ثابت نہ ہو۔ گو پہلے قرن میں نہیں مگر جب تک بعد میں اخیر تک تو اتر نہ ہو تب تک ایسی حدیث کے ساتھ قرآن پر زیادت جائز نہیں اور شافعی کا یہ مذہب ہے کہ اگر حدیث آیت کے مخالف ہو تو باوجود تواتر کے بھی کالعدم ہے پھر آپنے کہاں سے اور کس سے سُن لیا کہ ان سب کے نزدیک خبر واحد بہرحال واجب العمل ہے؟ اگر یہ کہو کہ ہمارا منشاء اس کلام سے یہ ہے کہ اگر خبر واحد مخالف قرآن کے نہ ہو تو اس صورت میں ان بزرگوں کے نزدیک واجب العمل ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ آپکا کب اور کس دن یہ منشاء ہوا تھا؟ اگر آپکا یہ منشاء ہوتا تو آپ اس بحث کو کیوں طول دیتے!

قولہٗ۔ اسی وجہ سے (جو خبر واجب العمل ہے) علماء اسلام نے جس میں مقلد و محدث سب داخل ہیں اتفاق کیا ہے کہ صحیحین کی حدیثیں واجب العمل ہیں اور موافقین اور مخالفین کا ان پر اجماع ہے۔

اقول۔ مَیں نہیں جانتا کہ اس سفید جھوٹ سے آپکی غرض کیا ہے اگر علماء مقلدین کے نزدیک بخاری اور مسلم کی حدیثیں بغیر کسی عذر نسخ وغیرہ کے بہرحال واجب العمل ہوتیں تو وہ بھی آپ کی طرح خلف امام فاتحہ پڑھتے اور ان

[1] الزخرف: ٢١ [2] یونس: ٦٧

کی مسجدیں بھی آپکی مساجد کی طرح آمین کے شور سے گونج اٹھتیں اور نیز وہ رفع یدین اور ایسا ہی تمام اعمال حسب ہدایت بخاری و مسلم بجالاتے اور آپکا یہ کہنا کہ وہ لوگ حدیث کو مسلم اور واجب العمل ٹھہراتے صرف دوسرے طور پر معنے کرتے ہیں یہ دوسرا جھوٹ ہی حضرت وہ تو صریح ضعیف یا منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ اس بات میں سچے ہیں تو شہر لدھیانہ کے علمار جمع کر کے اپنے قول کی شہادت ان سے دلاؤ۔ ورنہ یہ آپکا افترا ایسا نہیں ہی جس سے آپ کچے عذروں کے ساتھ بری ہو سکیں۔

قولہ۔ امام ابن الصلاح نے فرمایا ہی کہ صحیحین کی اتفاقی حدیثیں موجب یقین ہیں اور امام نووی نے شرح مسلم میں فرمایا ہی کہ اسپر اتفاق ہو گیا ہی کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیحین ہیں۔

اقول۔ کسی ایک یا دو شخص کا اپنی طرف سے رائے ظاہر کرنا حجت شرعی نہیں ہو سکتا پس اگر امام ابن الصلاح نے صحیحین کے اتفاقی حدیثوں کو عام طور پر موجب یقین مان لیا ہی تو مانا کرے ہمارے لئے وہ کچھ حجت نہیں۔ اگر ایسی متفق رائیں حجت ٹھہر سکتی ہیں تو پھر ان لوگوں کی رائیں بھی حجت ہونی چاہئیں جنہوں نے بخاری اور مسلم کی بعض حدیثوں کا قدح کیا ہی۔ چنانچہ تلویح میں لکھا ہی کہ بخاری میں یہ حدیث ہی تکثر لکم الاحادیث من بعدی فاذا روی لکم حدیث فاعرضوہ علیٰ کتاب اللہ تعالیٰ فما وافقہ فاقبلوہ وما خالفہ فردّوہ یعنے میرے بعد حدیثیں کثرت سے نکل آئینگی سو تم یہ قاعدہ رکھو کہ جو حدیث تمکو میرے بعد پہنچے یعنی جو حدیث ما اتاکم الرسول کے زمانہ کے بعد ملے اس کو کتاب اللہ پر عرض کرو۔ اگر اس کے موافق ہو تو اسکو قبول کرو اور اگر مخالف ہو تو ردّ کرو۔ ھذا ما نقلناہ من کتاب التلویح والعھدۃ علی الراوی*۔ اور منہاج شرح صحیح مسلم میں حافظ ابو زکریا بن شرف النووی نے حدیث شریک پر جو مسلم اور بخاری دونوں میں ہی جرح کیا ہی اور کہا ہی کہ یہ فقرہ کہ ذلک قبل ان یوحی الیہ ہے غلط صریح ہی

حاشیہ ۱/۱

* صحیح بخاری کے جس قدر مطبوعہ نسخے ہم نے دیکھے ہیں ان میں یہ حدیث بایں الفاظ پائی نہیں جاتی۔ گو دوسری حدیثیں ایسی بخاری میں موجود ہیں جو اپنے مآل اور ماحصل اور مفہوم میں اس حدیث کے معانی کے ممد و مقوی ہیں۔ اور مسلم میں ہی اما بعد فانّ خیر الحدیث کتاب اللہ۔ انما ھلک من کان قبلکم باختلافھم فی الکتاب۔ اور دارقطنی میں ہی۔ کلامی لا ینسخ کلام اللہ۔ المراء فی القرآن کفر رواہ احمد و ابو داؤد۔ وفی البخاری قال عمر رضی اللہ عنہ حسبنا کتاب اللہ لیکن مطبوعہ نسخوں میں اس حدیث کا بالفاظہ نہ پایا جانا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ علامہ تفتازانی نے

سو یہ علامہ نووی کا جرح آپ لوگوں کی توجہ کے لائق ہے کیونکہ علامہ نووی کی شان فن حدیث میں کسی پر مخفی نہیں اور علامہ تفتازانی نے اپنی تلویح میں صحیح بخاری کی ایک حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ ہم ظن غالب کے طور پر بخاری اور مسلم کو صحیح سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اور شرح مسلم الثبوت میں لکھا ہے ابن الصلاح وطائفة من الملقبين باهل الحديث زعموا ان رواية الشيخين محمد ابن اسماعيل البخاری ومسلم بن الحجاج صاحبی الصحيحين يفيد العلم النظری للاجماع على ان الصحيحين مزية على غيرهما وتلقت الامة بقبولهما والاجماع قطعی وهذا بهت فان من راجع الى وجدانه يعلم بالضرورة ان مجرد روايتهما لا يوجب اليقين البتة وقد روى فيهما اخبار متناقضة فلو افاد روايتهما علما لزم تحقق النقيض فی الواقع وهذا ای ما ذهب اليه ابن الصلاح واتباعه بخلاف ما قاله الجمهور من الفقهاء والمحدثين لان انعقاد الاجماع على المزية على غيرهما من مرويات ثقات اخرين

عمداً کذب اور افترا کیا ہے کیونکہ احتمال قوی ہے کہ حضرت علامہ موصوف نے کسی قلمی نسخے میں بخاری شریف کی یہ حدیث ضرور دیکھی ہوگی۔ بخاری کے مختلف نسخوں پر گہری نگاہ ڈالنے سے اب تک ثابت ہوتا ہے کہ باوجود سخت کوشش تصحیح و تطبیق کے پھر بھی بعض الفاظ بعض نسخوں کے بعض دوسرے نسخوں کے الفاظ سے مغائر ہیں۔ پھر کیا تعجب کا مقام ہے کہ کسی پرانے قلمی نسخے بخاری میں جو علامہ موصوف کی نظر سے گذرا یہ حدیث موجود ہو بلکہ یقین کا پلّہ اسی جانب کو جھکتا ہے کہ ضرور کسی نسخے میں یہ حدیث لکھی ہوگی ایک ایسے مسلمان کی شہادت جو اکابر فقہائے حنفیہ میں سے ہے ہرگز ساقط الاعتبار نہیں ہو سکتی کس کا ایسا دل گردہ ہے اور کس کا اسلام و ایمان اس امر کو روا رکھتا ہے کہ ایسے بزرگ علماء اسلام ایسے خدا ترس فاضلوں کو کذب افترا اور فاحش دروغ بافی کی تہمت لگائی جائے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اگر یہ شہادت خلاف واقعہ ہوتی تو علامہ کی زندگی میں ہی یہ مقام تلویح کا ترمیم کے لائق ٹھہرتا نہ یہ کہ اب تک یہ عبارت تلویح میں محفوظ چلی آتی۔ غرض جس حالت میں صاحب تلویح کی شہادت سے یہ ثابت ہوا ہے کہ بخاری کے کسی نسخے میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی تو جب تک دنیا کے تمام قلمی نسخے دیکھ نہ لئے جائیں یہ احتمال ہرگز اٹھ نہیں سکتا۔ اور بخاری کے کسی قلمی نسخے میں اس کا وجود ماننا بہت آسان ہے بہ نسبت اسکے کہ ایک برگزیدہ عالم کی نسبت افترا و اختلاق کی تہمت لگائی جائے

ممنوع والاجماع علیٰ مزتیهما فی انفسهما لا یفید لان جلالة شانهما و تلقی الامة بکتابهما لو سُلّم لا یستلزم ذالك القطع والعلم فان القدر المسلّم المتلقی بین الامة لیس الا ان رجال مرویاتهما جامعة للشروط اللتی اشترطها الجمهور بقبول روایتهم وهذا لا یفید الا الظن واما ان مرویاتهما ثابتة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فلا اجماع علیه اصلاً کیف ولا اجماع علیٰ صحة جمیع ما فی کتابهما لان رواتهما منهم قدریون وغیرهم من اهل البدع وقبول روایته اهل البدع مختلف فیه فاین الاجماع علی صحة مرویات القدریة غایة ما یلزم ان احادیثهما اصح الصحیحین یعنی انها مشتمله علی الشروط المعتبرة عند الجمهور علی الکمال وهذا لا یفید الا الظن القوی هذا هو الحق المتبع ولنعم ما قال الشیخ ابن الهمام ان قولهم بتقدیم مرویاتهم علی مرویات الائمة الآخرین قول لا یعتد به ولا یقتدی بل هو من محکماتهم الصرفة کیف لا وان الاصحة من تلقاء عدالة الرواة وقوت ضبطهم واذا کان رواة غیرهم عادلین ضابطین فهما وغیرهما علی السواء لا سبیل للتحکم بمزیتها علی غیرهما الا تحکما والتحکم لا یلتفت الیه فافهم۔ خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ صاحب مسلم الثبوت جو بحر العلوم سے ملقب ہے، فرماتا ہے کہ ابن الصلاح اور ایک طائفہ اہل حدیث نے یہ گمان کیا ہے کہ روایت شیخین محمد ابن اسماعیل البخاری اور مسلم کی جو صحیحین میں ہے علم نظری کی مفید ہے کیونکہ اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ صحیح بخاری اور مسلم کو ان کے غیر پر فضیلت ہے اور امت ان دونوں کو قبول کر چکی ہے اور اجماع قطعی ہے"

پس واضح ہو کہ ان دونوں کتابوں کی صحت پر اجماع ہونا بہتان ہے۔ ہر ایک شخص اپنے وجدان کی طرف رجوع کر کے ضروری طور پہ معلوم کر سکتا ہے کہ ان دونوں کی مجرد روایت موجب یقین نہیں یعنے کوئی بات ایسی نہیں جس سے خواہ نخواہ ان کی روایت موجب یقین سمجھی جائے بلکہ حال اسکے مخالف ہے

بناء علیٰ ہذا جو شخص اپنی بیوی کو ان لفظوں سے مطلقہ قرار دے کہ اگر بخاری میں یہ حدیث ہے تو میری عورت پہ طلاق ہے تو اگرچہ یقینی طور پر طلاق نہ پڑے لیکن کچھ شک نہیں کہ ظن غالب کے طور پر ضرور طلاق پڑ گئی۔ کیونکہ ہم مامور ہیں کہ مومن پہ حسن ظن کریں اور اسکی شہادت کو ساقط الاعتبار نہ سمجھیں۔ فتدبر۔ ایڈیٹر۔

کیونکہ ان دونوں کتابوں میں متناقض خبریں موجود ہیں جو ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر ان دونوں کی روایت علم قطعی اور یقینی کا موجب ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ نقیضین فی الواقع سچی ہوں اور یاد رہے کہ ابن الصلاح اور اس کے رفیقوں کی رائے جمہور فقہاء اور محدثین کے برخلاف ہے کیونکہ یہ ایک امر ممنوع ہے جسکو کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ بخاری اور مسلم کو اپنی روایت کے رُو سے دوسروں پر زیادتی ہے اور امام بخاری اور مسلم کی عظمت شان اور ان کی کتابوں کا امت میں قبول کیا جانا اگر مان بھی لیا جائے تب بھی اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ وہ کتابیں قطعی اور یقینی ہیں۔ کیونکہ اُمت نے انکے مرتبہ قطع اور یقین پر ہرگز اجماع نہیں کیا۔ بلکہ صرف اس قدر مانا گیا اور قبول کیا گیا ہے کہ دونوں کتابوں کے راوی ان شرطوں کے جامع ہیں جو جمہور نے قبول روایت کیلئے لگا دی ہیں اور ظاہر ہے کہ صرف اس قدر تسلیم سے قطع اور یقین پیدا نہیں ہوتا بلکہ صرف ظن پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ بات کہ درحقیقت صحیح بخاری اور مسلم کی مرویات ثابت ہیں اور جسقدر حدیثیں ان میں روایت کی گئی ہیں وہ درحقیقت جرح سے مبرا ہیں اس پر اُمت کا ہرگز اجماع نہیں بلکہ اس اجماع کا تو کیا ذکر اس بات پر بھی اجماع نہیں کہ جو کچھ ان دونوں کتابوں میں ہے وہ سب صحیح ہے۔ کیونکہ بخاری اور مسلم کے بعض راویوں میں سے قدری بھی ہیں اور بعض اہل بدع بھی راوی ہیں جن کی روایت قبول نہیں ہو سکتی۔ پس جبکہ یہ حال ہے تو اجماع کہاں رہا! کیا مرویات قدریہ پر بھی اجماع ہو جائے گا؟ غایت ما فی الباب یہ ہے کہ ان کی حدیثیں اصح ہیں اور شروط معتبرہ جمہور پر علی وجہ کمال مشتمل ہیں سو اس سے بھی صرف ایک ظن قوی پیدا ہوتا ہے نہ کہ یقین۔ پھر جو ہم نے بخاری اور مسلم کے صحیحوں کی نسبت بیان کیا ہے یہی حق بات ہے جسکی پیروی کرنی چاہیئے۔ اور شیخ ابن الہمام نے کیا اچھا فرمایا ہے کہ یہ قول محدثین کا کہ مرویات صحیحین انکے ماسوا پر مقدم ہیں ایک ایسا بے معنی قول ہے جو قابل اعتماد و التفات نہیں اور ہرگز پیروی کے لائق نہیں بلکہ صریح اور صاف تحکم ہے انہیں تحکمات میں سے جو کھلے کھلے طور پر ان لوگوں نے کئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر اصحیت کا مدار عدالت اور ضبط پر ہے تو کیا ایسی کتابیں جنمیں یہ شرط پائی جاتی ہے کم درجہ پر ہونگی۔ سو ان دونوں کتابوں کی زیادتی پر حکم لگانا محض تحکم ہے اور تحکم قابل التفات نہیں فافہم۔" اور شرح نووی کی جلد ثانی صفحہ۹ میں زیر تشریح اس مسلم کی حدیث کے کہ یا امیر المومنین اقض بینی و بین ھذا الکاذب الآثم الغادر الخائن۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ جب ان الفاظ کی تاویل سے ہم عاجز آجائیں تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ اسکے راوی جھوٹے ہیں۔

اب اس تمام تحقیقات سے ظاہر ہو کہ جو کچھ صحیحین کے مرتبہ قطع اور یقین کی نسبت مبالغہ کیا گیا ہی وہ ہرگز صحیح نہیں اور نہ اسپر اجماع ہی اور نہ انکی تمام حدیثیں جرح قدح سی خالی سمجھی گئی ہیں اور نہ وہ مخالفت قرآن کی حالت میں بالاجماع واجب العمل خیال کی گئی ہیں بلکہ انکی صحت پر ہرگز اجماع نہیں ہوا۔

قولہٗ - یہ آپ کی عامیانہ بات ہے کہ پندرہ کروڑ حنفی صحیح بخاری کو نہیں مانتے بلکہ عام حنفی تو صحیح بخاری کی صحت سے ہرگز انکار نہیں کرتے۔

اقول - اسکا جواب ہو چکا ہی کہ علماء حنفیہ خبر واحد سی گو وہ بخاری ہو یا مسلم قرآن کریم کے کسی حکم کو ترک نہیں کرتے اور نہ اسپر زیادت کرتے ہیں اور امام شافعی حدیث متواتر کو بھی بمقابلہ آیت کالعدم سمجھتا ہی اور امام مالک کے نزدیک خبر واحد سے بشرط نہ ملنے آیت کے قیاس مقدم ہی۔ دیکھو صفحہ ۱۷۵ کتاب نورالانوار اصول فقہ۔

اس صورت میں جو کچھ ان اماموں کی نظر میں درصورت قرآن کے مخالف ہونیکے احادیث کی عزت ہو سکتی ہے عیاں ہی خواہ اس قسم کی حدیثیں اب بخاری میں ہوں یا مسلم میں*۔ یہ ظاہر ہی کہ بخاری اور مسلم اکثر مجموعہ احاد کا ہی اور جب احاد کی نسبت امام مالک اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کی یہی رائے ہو کہ وہ قرآن کے مخالف ہونے کی حالت میں ہرگز قبول کے لائق نہیں تو اب فرمائیے کیا اس سی یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ ان بزرگوں کے نزدیک وہ حدیثیں بہرحال واجب العمل ہیں؟ اول حنفیوں اور مالکیوں وغیرہ سی ان سب پر عمل کرائے اور پھر یہ بات منہ پر لائے۔

قولہٗ - آپ اگر اس دعوے میں سچے ہیں تو کم سے کم ایک عالم کا متقدمین یا متاخرین میں سی نام بتا دیں جس نے صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی احادیث کو غیر صحیح یا موضوع کہا ہو۔

اقول - جن اماموں کا ابھی میں نے ذکر کیا ہے اگر وہ واقعی اور یقینی طور پر صحیحین کی احادیث کو واجب العمل سمجھتے تو آپ کی طرح ان کا بھی یہی مذہب ہوتا کہ خبر واحد سی قرآن پر زیادت مان لینا یا آیت کو منسوخ سمجھ لینا واجبات سی ہے لیکن میں بیان کر چکا ہوں کہ وہ خبر واحد کو قرآن کی مخالفت کی حالت میں ہرگز قبول نہیں کرتے اس سے ظاہر ہی کہ وہ صرف قرآن کریم کے سہارے سی اور بشرط مطابقت قرآن صحیحین کے احاد کو جو کل سرمایہ صحیحین کا ہے ملتے ہیں اور مخالفت کی حالت میں ہرگز نہیں مانتے۔ اور مخالفت کی حالت میں ہرگز نہیں مانتے۔ آپ تلویح کی عبارت سن چکے ہیں کہ انما یرد خبر الواحد من معارضۃ الکتاب - یعنی اگر کوئی حدیث احاد میں سی قرآن کے مخالف پڑے گی تو وہ رد کی جائے گی۔ اب دیکھئے کہ وہ نیا جھگڑا جو ابتک آپ نے محض اپنی نافہمی کیوجہ سے کیا ہی کہ قرآن

* یہ حاشیہ اگلے صفحہ پر درج کیا گیا۔

احادیث کا معیار نہیں کیونکہ صاحب تلویح نے آپ کو اس بارہ میں جھوٹا ٹھہرایا ہے! اور تینوں امام اسی رائے میں آپکے مخالف ہیں! اور مَیں بیان کرچکا ہوں کہ میرا مذہب بھی اسی قدر ہی کہ باستثناء سنن متوارثہ متعاملہ کے جو احکام اور فرائض اور حدود کے متعلق ہیں باقی دوسرے حصّہ کی احادیث میں سے جو اخبار اور قصص اور واقعات ہیں جنپر نسخ بھی وارد نہیں ہوتا۔ اگر کوئی حدیث نصوص بیّنہ قطعیہ صریحۃ الدلالت قرآن کریم سی صریح مخالف واقع ہو گو وہ بخاری کی ہو یا مسلم کی مَیں ہرگز اسکی خاطر اس طرز کے معنی کو جس سے مخالفت قرآن لازم آتی ہی قبول نہیں کرونگا۔ مَیں بار بار اپنے مذہب کو اسلئے بیان کرتا ہوں کہ تا آپ اپنی عادت کے موافق پھر کوئی تازہ افترا اور بہتان میرے پر نہ لگاویں اور نہ لگانے کی گنجائش ہو۔*

اور ظاہر ہے کہ یہ میرا مذہب امام شافعی اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے مذہب کی نسبت حدیث کی بہت رعایت رکھنے والا ہے کیونکہ مَیں صحیحین کی خبر واحد کو بھی جو تعامل کے سلسلہ سی موکد ہے اور احکام اور حدود اور فرائض میں سی ہو نہ حصّہ دوم میں سی اس لائق قرار دیتا ہوں کہ قرآن پر اس سے زیادتی کی جائے اور یہ مذہب ائمہ ثلاثہ کا نہیں۔ مگر یاد رہے کہ مَیں واقعی زیادتی کا قائل نہیں بلکہ میرا ایمان انا انزلنا الکتاب تبیانا لکل شیئ پر ہے جیساکہ میں ظاہر کرچکا ہوں۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مَیں اس مذہب میں اکیلا نہیں ہوں بلکہ اپنے ساتھ کم سے کم تین یار غالب رکھتا ہوں جنکا عقیدہ میرے موافق بلکہ مجھ سے بڑھ چڑھ کر ہے۔

قولہٗ۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث بخاری کو چھوڑ دیا یہ بھی عامیانہ بات ہے۔ آپ یہ نہیں جانتے کہ امام اعظم کب ہوئے اور صحیح بخاری کب لکھی گئی۔

اقول۔ جناب مولوی صاحب آپ ایمان کے ساتھ جوابدیں کہ مَیں نے کب اور کہاں لکھا ہی کہ صحیح بخاری امام اعظم رحمۃ اللہ کے زمانہ میں موجود تھی؟ ان فضول مفتریانہ تحریروں سے آپکی صرف یہ غرض ہی کہ عوام کے سامنے ہر یک بات میں اس عاجز کی سُبکی

ف ... ۹۷ ※ کیونکہ اگر یہ مدوّنات ان کے روبرو ہوتیں تو انہیں اپنا عقیدہ اور مسلّم قاعدہ ان کتابوں کی مخالف الکتاب احادیث پر (اگر ہوں) جاری کرنے میں کون مانع ہوسکتا تھا۔

ف ۱۵ ※ حضرت مرشدنا آپ ہزار پیش بندیاں کیا کریں۔ سو سو بار ایر پھیر کر اپنا مطلب بیان کریں۔ دلیر مولوی صاحب کب افترا سے باز آنے والے ہیں۔ ایڈیٹر۔

اور خفت اور لا علمی ظاہر کریں۔ لیکن یاد رکھیں کہ مجھے بعض ملاؤں کی طرح لوگوں کی مدح وثنا کی طرف خیال اور نہ عوام کی تحسین و نفرین کی کچھ پروا۔ ہر یک دانا بلکہ ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ صحیح بخاری کی حدیثیں امام محمد اسماعیل کا اپنا ایجاد تو نہیں تا یہ اعتراض ہو کہ جب تک کوئی متقدمین سے امام بخاری کا زمانہ نہ پاتا اور انکی کتاب کو نہ پڑھتا تب تک محال تھا کہ ان حدیثوں پر اسکو اطلاع ہوتی بلکہ حدیثوں کے رواج اور زبانی شیوع کا زمانہ اسی وقت یعنی قرن اول سے شروع ہوا ہے جبکہ امام بخاری صاحب کے جدّ امجد بھی پیدا نہیں ہوئے ہونگے تو پھر کیا محال تھا کہ وہ حدیثیں جن کی تبلیغ کی صحابہ کو تاکید تھی امام اعظم کو نہ پہنچتیں بلکہ قریب بیقین کے یہی ہے کہ ضرور پہنچی ہونگی کیونکہ ان کا زمانہ قرن اول سے قریب تھا اور بہت حفاظ حدیث کے زندہ تھے اور خاص اسی ملک میں رہتے تھے جو سرچشمہ حدیث کا تھا۔ پھر تعجب کہ بخاریؒ جو زمانی اور مکانی طور پر امام اعظم صاحب سے کچھ نسبت نہیں رکھتے تھے ایک لاکھ حدیث صحیح اکٹھی کر لیں۔ اور ان میں چھیانوے ہزار صحیح حدیث کو ردّی مال کی طرح ضائع کر دیں۔ اور **امام اعظم صاحب** کو باوجود قرب زمان اور مکان کے سو حدیث بھی نہ پہنچ سکے۔ کیا کسی کا نور قلب یہ گواہی دیتا ہے کہ ایک شخص بخارا کا رہنے والا جو بہت دور حدود عرب سے اور نیز دو سو برس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہو۔ وہ لاکھ حدیث صحیح حاصل کرے۔ اور **امام اعظم** صاحب جیسے بزرگوار فانی فی سبیل اللہ کو نماز کے بارہ میں بھی دو چار صحیح حدیثیں باوجود قرب زمان اور مکان کے نہ مل سکیں۔ اور ہمیشہ بقول مولوی محمد حسین صاحب کے اٹکلوں سے کام لیتے رہے! اے حضرت مولوی صاحب آپ ناراض نہ ہوں آپ صاحبوں کو امام بزرگ ابو حنیفہ سے اگر ایک ذرّہ بھی حسن ظن ہوتا تو آپ اس قدر سُبکی اور استخفاف کے الفاظ استعمال نہ کرتے آپ کو امام صاحب کی شان معلوم نہیں۔ وُہ ایک بحر اعظم تھا اور دوسرے سب اس کی شاخیں ہیں اس کا نام اہل الرائے رکھنا ایک بھاری خیانت ہے! امام بزرگ حضرت ابوحنیفہؒ کو علاوہ کمالات علم آثار نبویہ کے استخراج مسائل قرآن میں ید طولیٰ تھا خدا تعالیٰ حضرت مجدد الف ثانی پر رحمت کرے انہوں نے مکتوب جلد۲ میں فرمایا ہے کہ امام اعظم صاحب کی آنے والے مسیح کے ساتھ استخراج مسائل قرآن میں ایک رُوحانی مناسبت ہے۔

قولہٗ محقق مسلمان حنفی ہو یا شافعی مقلد ہو یا غیر مقلد تصحیح روایات حدیثیہ کا معیار قرآن کریم کو نہیں ٹھہراتا۔
اقول۔ اس بات کا جواب ابھی مفصل گزر چکا ہے کہ علماء مذاہب ثلاثہ نے احاد حدیث کو گو وہ بخاری کی ہوں یا مسلم کی اس شرط سے قبول کیا ہے کہ وہ قرآن کریم کے معارض اور مخالف نہ ہوں۔ تلویح کی عبارت ابھی میں نے سنائی آپکو یاد ہوگی کہ جس حالت میں ائمہ ثلاثہ ان حدیثوں سے جو احاد ہیں اور مخالف قرآن ہیں خدمت نہیں لیتے اور معطل کی طرح چھوڑ دیتے ہیں تو اگر وہ قرآن کریم کو معیار قرار نہیں دیتے تو حدیثوں کو اسکی مخالف پاکر کیوں چھوڑتے ہیں کیا معیار ماننا کچھ اور طور سے ہوتا ہے؟ جبکہ ان لوگوں نے یہ اصول ہی ٹھہرالیا ہے کہ خبر واحد بحالت مخالفت قرآن ہرگز قبول کے لائق نہیں گو اس کا راوی مسلم ہو یا بخاری ہو تو کیا اب تک انہوں نے قرآن کریم کو معیار قبول نہیں کیا؟ اتقوا اللّٰہ ولا تخلبوا!
قولہ۔ امام الائمہ ابن خزیمہ سے منقول ہے کہ لا اعرف انہ روی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم حدیثان باسنادین صحیحین متضادین فمن کان عندہ فلیاتینی بہ لاؤلف بینھما یعنے امام الائمہ ابن خزیمہ سے منقول ہے کہ میں ایسی دو حدیثوں کو شناخت نہیں کرتا جو نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کی گئی ہوں اور پھر متضاد ہوں اگر کسی کے پاس ایسی حدیثیں ہوں تو میرے پاس لاوے میں ان میں تالیف کر دوں گا۔
اقول۔ امام ابن خزیمہ تو فوت ہو گئے اب اُنکے دعویٰ کی نسبت کچھ کلام کرنا بیفائدہ ہے لیکن مجھے یاد ہے کہ آپنے اپنے مضمون کے سُنانے کے وقت بڑے جوش میں آکر فرمایا تھا کہ ابن خزیمہ تو امام وقت تھے میں خود دعویٰ کرتا ہوں کہ دو متعارض حدیثوں میں جو دونوں صحیح الاسناد تسلیم کی گئی ہوں توفیق و تالیف دے سکتا ہوں اور ابھی دے سکتا ہوں؟ آپ کا یہ دعویٰ ہرچند اس وقت ہی فضول سمجھا گیا تھا لیکن برعایت شرائط قرار یافتہ مناظرہ اس وقت آپ کی تقریر میں بولنا ناجائز اور ممنوع تھا۔ چونکہ آپ کی خودستائی حد سے گذر گئی ہے اور عجز و نیاز اور عبودیت کا کوئی خانہ نظر نہیں آتا اور ہر وقت انا اعلم کا جوش آپ کے نفس میں پایا جاتا ہے اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اسی دعویٰ کے رُو سے آپکے کمالات کی آزمائش کروں جس آزمائش کے ضمن میں میری اصل بحث بھی لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔ میں بالطبع اس سے کارہ ہوں کہ کسی سے خواہ نخواہ آویزش کروں لیکن چونکہ آپ دعویٰ کر بیٹھے ہیں اور دُوسروں کو تحقیر اور ذلت کی نظر سے دیکھتے ہیں یہانتک کہ آپکے خیال میں امام اعظم رحؒ

کوبھی حدیث دانی میں آپ سے کچھ نسبت نہیں۔ اس لئے بقول سعدیؒ ؎

ندارد کسے با تو ناگفتہ کار ٭ ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

چاہتا ہوں کہ چھ سات حدیثیں بخاری اور مسلم کی یکے بعد دیگرے جن میں میری نظر میں تعارض* ہے آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ اگر آپ ان میں توفیق و تالیف امام ابن خزیمہ کی طرح کر دکھائیں گے

*مولوی صاحب لیجئے۔ سر دست کسی قدر تعارض کا نمونہ یہ عاجز پیش کرتا ہو موقع ہے۔ اپنی حدیث دانی کا ثبوت لوگوں پر ظاہر کیجئے۔ (۱) معراج کی حدیث بروایت شریک کے حاشیہ پر فتح الباری کی یہ عبارت لکھی ہے۔ قال النووی جاء فی روایۃ شریک اوہام انکرہا العلماء من جملتہا انہ قال ذالک قبل ان یوحی الیہ غلط لم یوافق علیہ احدٌ وایضاً اجمعوا علی انّ فرض الصلوٰۃ کانت لیلۃ الاسراء فکیف یکون قبل الوحی۔ وقول جبرائیل فی جواب بوّاب السماء اذ قال ابعث؟ نعم۔ صریح فی انہ کان بعد البعث۔ ترجمہ۔ نووی کہتا ہو کہ شریک کی روایت میں کتنے وہم ہیں جنپر علمار نے اعتراض کیا ہے ازاں جملہ ایک یہ کہ شریک کی روایت میں قبل ان یوحی الیہ لکھا ہو جس کا مطلب یہ ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج بعثت سے پہلے ہوئی اور یہ صریح غلط ہے جس پر کسی نے اتفاق نہیں کیا۔ علاوہ اس کے علماء اسپر اتفاق کر چکے ہیں کہ نمازیں معراج کی رات میں فرض کی گئی تھیں! پھر قبل از وحی کیونکر فرض ہو سکتیں تھیں!!" اور عجب تر اس حدیث میں یہ تعارض ہو کہ حدیث کے سر پر تو یہ لکھا ہو کہ قبل از بعثت و نبوت معراج ہوئی اور پھر آئندہ عبارتیں حدیث کی اپنی صریح منطوق سے ظاہر کر رہی ہیں کہ معراج بعد از بعثت ہوئی اور اسی حدیث میں نمازوں کی فرضیت کا ذکر بھی ہو سو یہ حدیث کتنے تعارض سے بھری ہو۔ (۲) پھر بخاری کی کتاب التفسیر ۶۵۲ میں ایک حدیث ہو جسکی عبارت ہو۔ مامن مولود یولد الا والشیطان یمسہ فیستہل صارخاً من الشیطان ایاہ الا مریم وابنہا۔ یعنی کوئی ایسا بچہ نہیں جو پیدا ہوا اور پیدا ہونے کے ساتھ شیطان اسکو نہ چھو جائے اور وہ بوجہ شیطان کے چھونے کے چیخیں نہ مارے بجز مریم اور اسکے بیٹے کے۔ جاننا چاہیئے کہ یہ حدیث صفحہ ۷۶، کی حدیث سے معارض پڑتی ہو اور شارح بخاری صفحہ ۶۵۲ کی حدیث کے حاشیہ پر لکھتا ہو کہ زمخشری کو اس حدیث کی صحت میں کلام ہو کیونکہ یہ اللہ تعالے کے کلام کے معارض ہے وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الا عبادك منہم المخلصین[۱] اس آیت سے صاف سمجھا جاتا ہو کہ بغیر خصوصیت مریم اور ابن مریم کے تمام عباد مخلصین مس شیطان سے محفوظ رکھے جاتے ہیں

[۱] الحجر: ۴۱

تو میں تاوان کے طور پر آپ کو پچیس روپیہ نقد دونگا اور نیز مدت العمر تک آپکے کمالات کا قائل ہو جاؤنگا اور اپنا مغلوب اور شکست یافتہ ہونا قبول کر لونگا اور بباعث اسکے جو مجھ سے پچیس روپیہ بطور تاوان لئے جائینگے آپکے کمالات حدیث دانی کے بخوبی نقش قلوب ہو جائینگے اور ہمیشہ صفحہ روزگار میں عزت کیساتھ یادگار رہیں گے لیکن اسمیں انتظام یہ چاہیئے کہ تین منصف بتراضی فریقین مقرر کئے جائیں جو فہم تقریر اور وزن دلائل کا مادہ رکھتے ہوں اور فریقین سے کسی قسم کا تعلق انکو نہ ہو۔ نہ رشتہ۔ نہ مذہب۔ نہ دوستی اور اگر من بعد تعلق ثابت ہو تو وہ فیصلہ فسخ کیا جائے ورنہ فیصلہ ناطق قرار دیکر بحالت غالب ہونے پچیس روپیہ آپکے حوالے کر دیئے جائیں۔ لیکن منصفوں کی آزمائش لیاقت کیلئے ضروری ہوگا کہ وہ اخیری روبکار کی طرح فیصلہ تحریری بوجوہات شافیہ قلمبند کر کے فریقین کو جلسہ عام میں سنادیں اور ادلہ قطعیہ سے اس فریق کا غالب ہونا اپنے فیصلہ میں ظاہر کریں جسکو اپنی رائے میں انہوں نے غالب سمجھا ہے یہ شرائط کچھ مشکل نہیں ہیں۔ ایسی لیاقت کے بہت آدمی ہیں بالخصوص ایسے حکام جن کو ہر وقت فیصلجات دینے کی مشق ہے اور ثابت اور غیر ثابت میں تمیز کرنے کا ملکہ ہے بڑی آسانی سے منصفی کے لئے پیدا ہو سکتے ہیں اور اگر آپ کو منصفوں کے فیصلہ کی نسبت پھر بھی کچھ دل میں دھڑکا ہے تو منصفوں کیلئے حلف کی قید بھی لگا سکتے ہیں۔ اب اگر آپ میری اس درخواست سے گریز کرینگے تو پھر بلاشبہ آپکے وہ سب دعاوی فضول قرار پاکر وہ تمام توہین و تحقیر اور ہتک کی باتیں جو آپنے اس عاجز کی نسبت اپنی تحریرات میں خودنمائی کی غرض سے کی ہیں آپ پر وارد سمجھی جائینگی تحریر کے ذریعہ سے ایک ہفتہ تک آپ اس کا جواب دیں۔

قولہٗ۔ اگر صرف قرآن سے مضمون کسی حدیث کا موافق ہونا اسکی صحت کا موجب ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ موضوع حدیثیں اگر انکے مضامین صادق اور قرآن کے مطابق ہوں صحیح متصور ہوں۔

اقول۔ حضرت یہ آپنے میری کس عبارت سے نکالا ہے کہ میں قانون روایت محدثین کو بے مصرف اور فضول خیال کر کے اوّل حالت سے ہی ہر یک بے سند قول کیلئے تصدیق قرآن کریم کو حدیث بنانے کے لئے

بقیہ نوٹ ۱ اور یحیٰی علیہ السلام کے حق میں فرماتا ہے سلام علیہ یوم ولد پس اگر یوم تولد مس شیطان کا یوم ہے تو سلام کا لفظ جو سلامتی پر دلالت کرتا ہے کیونکر اسپر صادق آسکتا ہے۔ پھر علامہ زمخشری نے تاویل کی ہے کہ اگر مریم اور ابن مریم سے مراد خاص یہی دونوں نہ رکھے جائیں بلکہ ہر ایک شخص جو مریم اور ابن مریم کی صفت اپنے اندر رکھتا ہے اسکو بھی مریم اور ابن مریم ہی قرار دیا جاوے تو پھر اس حدیث کے معنے بلاشبہ صحیح ہو جائیں گے۔ فافہم وتدبر۔ ایڈیٹر۔

کافی جانتا ہوں۔ اگر میرا یہی مذہب ہوتا تو میں کیوں کہتا کہ میں ظنی طور پر صحیحین کو صحیح سمجھتا ہوں اور جن حدیثوں کے ساتھ تعامل کا سلسلہ قرناً بعد قرنٍ پایا جاتا ہے۔ انکو نہ صرف ظنی بلکہ حسب مراتب تعلق تعامل قطعیت کے رنگ سے رنگین خیال کرتا ہوں۔ اور اگرچہ میں دوسرے حصہ احادیث کو ظنی طور پر صحیح خیال کرتا ہوں لیکن اگر انکی صحت پر قرآن کی شہادت ہے تو وہ صحت ظن قوی ہو جاتا ہے مگر جبکہ قرآن کریم صریح اسکے مخالف ہو اور تطبیق کی کوئی راہ نہ ہو تو میں ایسی حدیث کو جو حصہ دوم کی قسم میں سے ہے قبول نہیں کرتا کیونکہ اگر میں قبول کرلوں تو پھر قرآن کی خبر کو مجھے منسوخ ماننا پڑیگا۔ مثلاً قرآن نے خبر دی ہے کہ سلیمان داؤد کا بیٹا تھا اور اسحاق ابراہیم کا اور یعقوب اسحاق کا۔ اب اگر کوئی حدیث اسکے مخالف ہو اور یہ بیان کرے کہ داؤد سلیمان کا بیٹا تھا اور ابراہیم لاولد تھا میں کیونکر سمجھ لوں کہ جو کچھ قرآن نے فرمایا تھا وہ منسوخ ہو گیا ہے۔ ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ تاریخی واقعات اور اخبار وغیرہ پر ہرگز نسخ وارد نہیں ہوتا اور نہ اس سے خدا تعالیٰ کا کذب لازم آتا ہے! سو میں یہ تو نہیں کہتا کہ صحت حدیث کیلئے قانون روایت کی حاجت نہیں۔ ہاں یہ میں ضرور کہتا ہوں کہ جب اس قانون کے استعمال کے بعد کوئی روایت حدیث نبوی کے نام سے موسوم ہو پھر اگر وہ احادیث کے حصہ دوم میں سے ہے تو اسکی تکمیل صحت کیلئے یہ ضروری ہے کہ تصریحات قرآن کریم کے مخالف نہ ہو۔

قولہ۔ جو آپ نے کہا ہے کہ قرآن کریم اپنا آپ مفسر ہے حدیث اس کی مفسر نہیں۔ اس سے بھی آپ کی ناواقفیت اصول اسلام سے ثابت ہوتی ہے۔

اقول۔ اے حضرت آپنے اسقدر افتراؤں پر کیوں کمر باندھ لی ہے میں نے کہاں اور کس جگہ لکھا ہے کہ حدیث قرآن کی مفسر نہیں۔ میں نے تو بحوالہ آیت اسقدر بیان کیا ہے کہ اول مفسر قرآن کا خود قرآن ہے پھر بعد اسکے نمبر دوم پر حدیث مفسر ہے اس سے میرا یہ مطلب تھا کہ حدیث کی تفسیر دیکھنے کے وقت قرآن کی تفسیر نظر انداز نہ ہو اور اگر کوئی ایسا مسئلہ جو حدیث کے دونوں حصوں میں سے حصہ دوم میں داخل ہو یعنے اخبار و واقعات وغیرہ میں سے جس سے نسخ معلوم نہیں ہو سکتا اور نہ اسپر زیادت متصوّر ہے تو ایسی صورت میں کسی مجمل آیت کی وہ تفسیر مقدم اور قابل اعتبار ٹھیرے گی جو قرآن نے آپ فرمائی ہے اور اگر حدیث کی تفسیر اس تفسیر کے مخالف ہو تو قبول کے لائق نہیں ہوگی۔

قولہ۔ آیت قل لا اجد فیما اوحی الیّ محرمًا علیٰ طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃً او دمًا مسفوحًا[1]۔ صاف دلالت کرتی ہے کہ قرآن میں صرف یہ چند چیزیں حرام کیگئی ہیں۔ لیکن حدیث کے رو سے گدھا اور درندے بھی حرام کر دیئے گئے

[1] الانعام : ۱۴۶

اقول۔ حضرت یہ نقصہ آپنے ناحق چھیڑ دیا۔ میں کہتے کہتے تھک بھی گیا کہ حصہ اوّل کی حدیثیں جو احکامِ دین اور تعلیم دین اور فرائض اور حدود اسلام کے متعلق ہیں جن کا سلسلہ تعامل سے کثیر یا قلیل طور پہ تمدن مذہبی میں ایک لازمی طور پر تعلق پڑا ہوا ہے وہ میری بحث سے خارج ہیں۔ بلکہ میری بحث سے خاص طور پر وہ امور علاقہ رکھتے ہیں جنکو نسخ اور کمی اور زیادت سے کچھ تعلق نہیں جیسے اخبارات۔ واقعات قصص۔ لیکن آپنے ہرگز میرے مدعا کو نہ سمجھا اور ناحق کاغذات کو سیاہ کر کے چند بیسوں کا نقصان کیا۔ باوجود اسکے میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ قرآن ناقص ہے اور حدیث کا محتاج ہے بلکہ وہ الیوم اکملت لکم دینکم[1] کا تاج لازوال اپنے سر پر رکھتا ہے اور تبیانًا لکلّ شیٔ کے وسیع اور مرصع تخت پر جلوہ افروز ہے۔ قرآن میں نقصان ہرگز نہیں اور وہ داغ نا تمام اور ناقص ہونے سے پاک ہے۔ لیکن تقاصر افہام کی وجہ سے اس کے اسرار عالیہ تک ہر ایک فہم کی رسائی نہیں۔! ولنعم ما قیل۔

وکل العلم فی القرآن لاکن ٭ تقاصر منہ افہام الرجال

خود نبی صلعم نے بوحی الٰہی استنباط احکام قرآن کر کے قرآن ہی سے یہ مسائل زائدہ لئے ہیں جس حالت میں قرآن کریم صاف ظاہر کرتا ہے کہ کل خبائث حرام کئے گئے تو کیا آپکے نزدیک درندے اور گدھے طیبات میں سے ہیں؟ جنکے حرام کرنے کیلئے کسی حدیث کی واقعی طور پر ضرورت تھی! گدھے کی مذمت خود اللہ جلّ شانہ فرماتا ہے۔ ان انکر الاصوات لصوت الحمیر[2]۔ پھر جو اسکی نظر میں کسی وجہ سے منکر اور مکروہ اور خبائث میں داخل ہے وہ کس طرح حلال ہو جاتا؟ اور تمام درندے بدبو سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ چڑیاگھر میں جاکر دیکھو کہ شیر اور بھیڑیا اور چیتا وغیرہ اس قدر بدبو رکھتے ہیں کہ پاس کھڑا ہونا مشکل ہوتا ہے! پھر اگر یہ خبائث میں داخل نہیں ہیں تو اور کیا ہیں؟ اسی طرح میں آپکے ہر ایک حدیث پیشکردہ کا جو احکام زائدہ کے بارہ میں آپنے لکھی ہے جواب دے سکتا ہوں اور قرآن سے انکا منبع دکھلا سکتا ہوں مگر یہ باتیں بھی بحث سے خارج ہیں۔ میں نے آپکو کب اور کس وقت کہا تھا کہ سنن متوارثہ متعاملہ اور ایسے احکام جو تعامل کے سلسلہ مستمرہ سے تعلق رکھتے ہیں بنظر ظاہر حدیثوں کو انکے منسوخ یا زیادہ کرنے میں دخل نہیں۔ افسوس آتا ہے کہ آپنے ناحق بات کو طول دے کر اپنے اور لوگوں کے اوقات کا خون کیا۔ حضرت پہلے سمجھ تو لیا ہوتا کہ میرا مدعا کیا ہے جس بات کو میں نے نشانہ رکھکر یعنے وفات حیات مسیح کے مسئلہ کو۔ یہ تقریر پیش کی تھی۔ افسوس کہ اس بات کی طرف بھی آپکو خیال نہ آیا کہ وہ منجملہ اخبار ہے یا از قبیل احکام ہے۔ آئندہ

[1] المائدہ: ۴ [2] لقمان: ۲۰

ایسی شتاب کاری سے احتیاط رکھیں۔ ؎ پشیمان شو از ان عجلت کردی۔

قولہٗ۔ امام شعرانی نے منہج المبین میں لکھا ہو اجمعت الامۃ علی ان السنۃ قاضیۃ علیٰ کتاب اللہ۔

اقولُ۔ اجماع کا حال آپ معلوم کرچکے ہیں کہ امام مالک نے خبر واحد پر قیاس کو مقدم رکھا ہو چہ جائیکہ آیت اللہ اسپر مقدم ہو۔ اور حنفیہ کے نزدیک احادیث اگر قرآن کے مخالف ہوں تو سب متروک ہیں اور امام مالک کے نزدیک حدیث متواتر بھی کتاب اللہ کی مخالفت کی حالت میں ہیچ ہو۔ پھر جبکہ یہ ائمہ جن کے کروڑہا لوگ مقتدی اور پیرو ہیں یہ فیصلہ دیتے ہیں تو اجماع کہاں ہے؟

قولہٗ۔ جو حدیث آپنے تفسیر حسینی سے نقل کی ہے وہ قابلِ اعتبار نہیں۔

اقول۔ حضرت وہ تو دراصل بقول صاحب تلویح بخاری کی حدیث* ہو۔ جیساکہ ہم پہلے بھی تلویح کی عبارت نقل کرچکے ہیں پھر کیا بخاری بھی موضوعات سے پُر ہے؟ اور کہو کہ وُہ آیت اللہ ما اٰتاکم الرسول[1] سے مخالف ہو تو میں کہتا ہوں کہ ہرگز مخالف نہیں ما اٰتاکم الرسول کا حکم بغیر کسی قید اور شرط کے نہیں۔ اوّل یہ تو دیکھ لینا چاہیئے کہ کوئی حدیث فی الواقع ما اٰتاکم میں داخل ہے یا نہیں۔ ما اٰتاکم میں تو وُہ داخل ہوگا جس کو ہم شناخت کرلیں کہ درحقیقت رسول نے اسکو دیا ہو اور جبتک پورے طور پر اطمینان نہ ہو۔ تو کیا یہ جائز ہو کہ حدیث کا نام سُننے سے ما اٰتاکم میں اسکو داخل کردیں؟ اور یہ حدیث تو بخاری میں بقول تلویح موجود ہو نہ بھی ہو منشاء قرآن کے تو مطابق ہو اور ائمہ ثلثہ نے قریبًا اسی کے مطابق اپنا اصول فقہ قائم رکھا ہو تو پھر اسکو کیوں قبول نہ کریں؟ اور اگر یزید بن ربیعہ کا اسکے راویوں میں سے ہونا اسکو ضعیف کرتا ہو تو ایسا ہی قرآن کے منشاء سے اس کا مطابق ہونا اسکے ضعف کو دُور کرتا ہو کیونکہ اللہ جلّ شانہ فرماتا ہو۔ فبایّ حدیث بعد اللہ و اٰیاتہ یؤمنون[2]۔ یعنے بعد اللہ جلّ شانہ کی آیات کے کس حدیث پر ایمان لاؤ گے؟ اس آیت میں صریح اس بات کی طرف ترغیب ہے کہ ہر ایک قول اور حدیث کتاب اللہ پر

نوٹ

*ہم اس سے پہلے ایک نوٹ میں لکھ آئے ہیں کہ موجودہ مطبوعہ نسخ بخاری میں باللفظ یہ حدیث مذکور نہیں۔ نہ سہی نقاد بصیر سمجھ سکتا ہو کہ صحاح میں اس معانی کی مؤید و شاہد احادیث وارد ہیں تو کیا حرج ہو۔ اگر ان لفظوں میں بخاری کے اندر یہ حدیث نہ ہو۔ لفظوں سے اتنا تعرض کرنے کی کیا جگہ ہو۔ کیا نفس الامر میں یہ مضمون صحیح نہیں کہ صرف کتاب اللہ کے موافقت و مخالفت حدیث کے قبول و ردکی معیار ہوسکتی ہو؟ قرآن اسی کا شاہد ہو ائمہ ثلاثہ کا مذہب بھی یہی ہو تو پھر یہی الفاظ صد بار نہیں ہزار بار ایک کتاب بخاری میں نہ ہو۔ (ایڈیٹر)

[1] الحشر: ۸ [2] الجاثیۃ: ۷ ۱۰۷

عرض کرلینا چاہیئے۔ اگر کتاب اللہ نے ایک امر کی نسبت ایک فیصلہ ناطق اور مؤید دیدیا ہے جو قابل تغیر اور تبدیل نہیں۔ تو پھر ایسی حدیث دائرہ صحت سے خارج ہوگی جو اسکے مخالف ہے۔ لیکن اگر کتاب اللہ فیصلہ مؤیدہ اور ناقابل تبدیل نہیں دیتی تو پھر اگر وہ حدیث قانون روایت کے رُو سے صحیح ثابت ہو تو ماننے کے لائق ہے۔ غرض قرآن ایسی مجمل کتاب نہیں جو کبھی اور کسی صورت میں معیار کا کام نہ دے سکے۔ جس کا ایسا خیال ہے بے شک وہ سخت نادان ہے۔ بلکہ ایمان اس کا خطرہ کی حالت میں ہے اور حدیث انی اوتیت الکتاب و مثلہ سے آپ کے خیال کو کیا مدد پہنچ سکتی ہے؟ آپ کو معلوم نہیں کہ وحی متلو کا خاصہ ہے جو اس کے ساتھ تین چیزیں ضرور ہوتی ہیں خواہ وہ وحی رسول کی ہو یا نبی کی یا محدث کی۔

اوّل۔ مکاشفات صحیحہ جو اخبارات اور بیانات وحی کو کشفی طور پر ظاہر کرتے ہیں۔ گویا خبر کو معائنہ کر دیتے ہیں۔ جیساکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بہشت اور دوزخ دکھلایا گیا جس کا قرآن کریم نے بیان کیا تھا۔ اور ان گذشتہ رسولوں سے ملاقات کرائی گئی جن کا قرآن حمید میں ذکر کیا گیا تھا ایسا ہی بہت سی معاد کی خبریں کشفی طور پر ظاہر کی گئیں۔ تا وہ علم جو قرآن کے ذریعہ سے دیا گیا تھا۔ زیادہ تر انکشاف پکڑے اور موجب طمانیت اور سکینت کا ہو جائے۔

دوئم۔ وحی متلو کے ساتھ رویائے صالحہ دی جاتی ہے جو نبی اور رسول اور محدث کیلئے ایک قسم کی وحی میں ہی داخل ہوتی ہے اور باوجود کشف کے رویا کی اسلئے ضرورت ہوتی ہے کہ تا علم استعارات کا جو رویا پر غالب ہے وحی یاب پر کھل جائے اور علوم تعبیر میں مہارت پیدا ہو اور تا کشف اور رؤیا اور وحی بباعث تعدد طرق کے ایک دوسرے پر شاہد ہوں اور اس وجہ سے نبی اللہ کمالات اور معارف یقینیہ کی طرف ترقی رکھے۔

سوئم۔ وحی متلو کے ساتھ ایک خفی وحی عنایت ہوتی ہے جو تفہیمات الٰہیہ سے نامزد ہو سکتی ہے یہی وحی ہے جسکو وحی غیر متلو کہتے ہیں اور متصوفہ اس کا نام وحی خفی اور وحی دل بھی رکھتے ہیں۔ اس وحی سے یہ غرض ہوتی ہے کہ بعض مجملات اور اشارات وحی متلو کے منزل علیہ پر ظاہر ہوں۔ سو یہ وہ تینوں چیزیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اوتیت الکتاب کے ساتھ مثلہ کا مصداق ہیں۔ اور ہر ایک رسول اور نبی اور محدث کو اس کی وحی کے ساتھ یہ تینوں چیزیں حسب مراتب اپنی اپنی حالت قرب کے دی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں راقم تقریر ہذا صاحب تجربہ* ہے یہ موہبات ثلثہ یعنے کشف اور رویا اور وحی خفی دراصل

نوٹ * مولوی صاحب ایسے ولی اللہ کے مقابلہ کیلئے آپنے کمر کسی ہوئی ہے! مولوی صاحب اہل ظن اور صاحب یقین برابر نہیں ہو سکتے۔ وقت ہی باز آجایئے ورنہ دانت پیسنا اور رونا ہوگا۔ ایڈیٹر۔

امور زائدہ نہیں ہوتے بلکہ وحی متلو کے جو متن کی طرح ہے مفسّر اور مبیّن ہوتے ہیں۔ فتدبر

قولہ - حدیث حارث اعور کی صحیح نہیں ہے اور یہ اعور بھی ایک دجّال ہے۔

اقول - افسوس کہ دجّال کی حدیث ابتک مشکوٰۃ اور دُوسری مقدس کتابوں میں درج ہوتی چلی آئی۔ آپ جیسے کسی بزرگ نے اسپر قلم نسخ نہ پھیرا۔ جس حالت میں وہ حدیث صریح جھوٹی ہے اور اس کا راوی دجّال ہے! تو وہ کیوں نہیں خارج کی جاتی؟ میں نہیں جانتا کہ خبیث کو طیب سے کیا علاقہ ہے! مگر اس حدیث کی ترک سے ہمارا کچھ نقصان نہیں۔ اس مضمون کے قریب چند حدیثیں بخاری میں بھی ہیں جیساکہ کسی قدر تبدیل یا کمی بیشی الفاظ سے یہ حدیث بخاری میں موجود ہے۔ انی ترکت فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ و سنتی※ اور آپ سرقہ کا مجھکو الزام دیتے ہیں حالانکہ میں نے فی الحارث مقال کے لفظ کو ایک جرح بیہودہ

※ **فٹ نوٹ ۱** اس حدیث کی ہم معنے جو حدیثیں بخاری میں موجود ہیں از انجملہ ایک وہ حدیث ہے جو بخاری کی کتاب الاعتصام میں لکھی ہے اور وہ یہ ہے وھذا الکتاب الذی ھدی اللہ بہ رسولکم فخذوا بہ تھتدوا۔ از انجملہ یہ حدیث ہے وکان وقافاً عند کتاب اللہ صفحہ ۱۰۷۹۔ از انجملہ یہ حدیث ہے ما عندنا شئ الا کتاب اللہ از انجملہ یہ حدیث ہے ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل قضاء اللہ احق۔ صفحہ ۲۷۷ از انجملہ یہ حدیث ہے! اوصیٰ بکتاب اللہ ۷۵۱۔ از انجملہ یہ حدیث ہے جو بخاری کے صفحہ ۱۷۲ میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخم کاری سے مجروح ہوئے تو صہیب رضی اللہ عنہ روتے ہوئے انکے پاس گئے کہ ہائے میرے بھائی۔ ہائے میرے دوست۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے صہیب مجھ پر تو روتا ہے کیا تجھے یاد نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میّت پر اسکے اہل کے رونے سے عذاب کیا جاتا ہے پھر جب حضرت عمرؓ وفات پاگئے تو حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے یہ سب حال حدیث پیش کرنے کا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سُنایا تو انہوں نے کہا کہ خدا عمر پر رحم کرے بخدا کبھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا بیان نہیں فرمایا کہ مومن پر اُسکے اہل کے رونے سے عذاب کیا جاتا ہے اور فرمایا کہ تمہارے لئے قرآن کافی ہے۔ اللہ جلّ شانہ فرماتا ہے لا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ[۱]۔ یعنے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے باوجود محدّث و علم کے فقط اسلئے قسم کھائی کہ اگر اس حدیث کے ایسے معنے کئے جائیں کہ خواہ نخواہ ہر ایک میت اسکے اہل کے رونے سے معذب ہوتی ہے تو یہ حدیث قرآن کے مخالف اور معارض ٹھہریگی۔ اور جو حدیث قرآن کے مخالف ہو وہ قبول کے لائق نہیں۔ کان النبی صلعم بین رجلین

[۱] فاطر : ۱۹

سمجھکر عمداً ترک کیا ہے کیونکہ جس قدر کمالات قرآنیہ کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے وہ اہل کشف اور اہل باطن پر درحقیقت ظاہر ہو چکے ہیں اور ہوتے ہیں اور حارث کی روایت کی ہر ایک زمانہ میں تصدیق ہو رہی ہے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن کریم بلاشبہ جامع حقائق و معارف اور ہر زمانہ کی بدعات کا مقابلہ کرنے والا ہے۔ اس عاجز کا سینہ اسکی چشم دید برکتوں اور حکمتوں سے پُر ہے۔ میری رُوح گواہی دیتی ہے کہ حارث اس حدیث کے بیان کرنے میں بیشک سچا ہے بلاشبہ ہماری بھلائی اور ترقی علمی اور ہمارے دائمی فتوحات کیلئے قرآن ہمیں دیا گیا ہے اور اسکے رموز اور اسرار غیر متناہی ہیں جو بعد تزکیہ نفس اشراق اور روشن ضمیری کے ذریعہ سے کھلتے ہیں خدا تعالیٰ نے جس قوم کے ساتھ کبھی ہمیں ٹکرا دیا اس قوم پر قرآن کے ذریعہ سے ہی ہم نے فتح پائی وہ جیسا ایک اُمّی دیہاتی کی تسلی کرتا ہے ویسا ہی ایک فلسفی معقولی کو اطمینان بخشتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ صرف ایک گروہ کیلئے اترا ہے دُوسرا گروہ اس سے محروم رہے بلاشبہ اس میں ہر یک شخص اور ہر یک زمانہ اور ہر یک استعداد کے لئے علاج موجود ہے۔ جو لوگ معکوس الخلقت اور ناقص الفطرت نہیں وہ قرآن کی ان عظمتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور انکے انوار سے مستفید ہوتے ہیں جس حارث کے منہ سے ہمارے پیارے قرآن کی یہ تعریفیں۔ مَیں تو اس منہ کے قربان ہوں۔ آپ اس کو دجّال سمجھیں تو آپکا اختیار ہے۔ کل احد یوخذ من قولہ و یترک۔

رہی یہ بات کہ آپنے میرا نام چور رکھا تو مَیں اپنا اور آپکا فیصلہ حوالہ بخدا کرتا ہوں۔ اگر قرآن کریم کیلئے مَیں چور کہلاؤں تو میری یہ سعادت ہے۔ یہ تو ایک لفظ کی کمی کا نام سرقہ رکھا گیا ہے۔ لیکن خداوند کریم بہتر جانتا ہے کہ اس واقعی سرقہ یا اسکی اعانت کا مرتکب کون ہے جسکے ارتکاب سے ایک درم کی مالیت پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے فتفکر فی ھذا الکلام واخش اللہ المحاسب العلام کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون۔[1]

قولہٗ۔ احادیث صحیحین کے راوی تہمت فسق سے بَری ہیں۔ سو آیت پیش کرنا جب کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تفتیش کرو۔ آپ کی ناواقفی پر ایک دلیل ہے۔

اقولُ۔ مَیں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ بخاری اور مسلم کے بعض راویوں پر تہمت اہل بدع ہونے کی کی

بقیہ حاشیہ ۱۰۱ | یجمع من قتلی احد ثم یقول ایّھما احفظ للقراٰن فاذا اشیر لہ الی احد ھما قدّمہ فی اللّحد (بخاری صفحہ ۱۰۰) اللہ اللہ ! آپنے کس قدر رعایت اور عزت قرآن کی کی ہے۔ ایڈیٹر۔

[1] الصّف : ۴

گئی ہو جو فاسق کے حکموں میں ہیں جیسا کہ مسلم الثبوت کا حوالہ دے چکا ہوں جس میں صحیحین کی نسبت یہ عبارت ہے لانّ رواتھما قدریون وغیرھم اھل البدع یعنے بعض راوی مسلم اور بخاری کی قدری اور بدعتی ہیں۔ اب یا حضرت فرمائیے کہ آپکی ناواقفی ثابت ہوئی یا میری۔ اور اگر آپ کہیں کہ دوسری طرق سے وہ حدیثیں ثابت ہیں تو یہ بار ثبوت آپکے ذمہ ہے کہ من کل الوجوہ پورا مفہوم اور منطوق ان حدیثوں کا دوسری طرق روایت سے ثابت کر کے دکھلاویں۔ تلویح میں لکھا ہے کہ" بعض موضوع حدیثیں جو زنادقہ کا افترا معلوم ہوتی ہیں بخاری میں موجود ہیں" اور امام نووی نے حدیث عباس اور علی کی نسبت جو کہا ہے وہ پہلے لکھ چکا ہوں اور میرا یہ کہنا کہ امکانی طور پر صدور کذب ہر ایک سے بجز نبی کے ممکن الوقوع ہے۔ اس اعتراض کا مورد نہیں ہو سکتا کہ امکان کذب کی وجہ سے شہادت رد نہیں کی جا سکتی اور نہ کمزور ہو سکتی ہے کیونکہ امکان دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک مترقب الوقوع اور ایک مستبعد الوقوع۔ اسکی یہ مثال ہے کہ جیسے ایک شخص کیلئے جو زمین کھود رہا ہے ممکن ہے کہ اس زمین سے کسی قدر مال کا دفینہ نکل آوے۔ اور امکان مترقب الوقوع کی یہ مثال ہے کہ جیسے ایک ایسے گھر میں کتا اندر چلا جائے جس میں طرح طرح کے کھانے کھلے ہوئے ہیں سو ممکن ہے کہ وہ کتا کھانا شروع کرے اسی طرح انسان دو گروہ ہیں ایک وہ جو ذنوب سے آزاد کئے جاتے ہیں۔ اور تقویٰ اور ایمان انکی محبوب طبیعت کیا جاتا ہے۔ دوسرے وہ گروہ ہیں کہ اگرچہ تکلف سے نیکی کرتے ہیں اور متقی کہلاتے ہیں مگر جذبات نفس سے امین اور محفوظ نہیں ہوتے اور اغراض نفسانی کے موقعہ پر پھر پھسلنا انکا امکان ترقبی میں داخل ہوتا ہے کیونکہ اعمال صالح اُن کی طبیعت کے جزو نہیں ہوتے۔ یہ بات شہادتوں میں بھی ملحوظ رہتی ہے۔ اس وجہ سے ایک ایسے گواہ کی شہادت جو فریق ثانی سے جسپر وہ گواہی دیتا ہے سخت عداوت رکھتا ہے اور بالجہر در پے آزار ہے اور فریق اوّل کا جس کیلئے گواہی دیتا ہے۔ قریبی رشتہ دار اور اسکی حمایت پر اسکو سخت اصرار ہے کمزور بلکہ قابل رد سمجھی جاتی ہے۔ کیوں سمجھی جاتی ہے؟ اسی وجہ سے کہ اس کی دروغگوئی کے بارے میں امکان ترقبی کا احتمال قوی پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بوجہ اس امکان کے اسکی گواہی وہ وزن نہیں رکھتی جو قابل ذوی عدل شواہد کی رکھتی ہے۔ اور کسی طور سے پورے اعتماد کے لائق نہیں ٹھہر سکتی۔ خاصکر ایسے زمانہ میں جو فسق اور کذب کا شیوع ہو۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا خوارج اور قدریوں کی شہادت میں بوجہ انکے مذاہب زائغہ کے دروغگوئی کا امکان ترقبی پیدا ہے یا نہیں؟ اور یہی میرا مطلب تھا۔

قولہ۔ آپکے ایسے دلائل اقاویل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکو فن حدیث کے کوچہ سے بالکل ناآشنائی ہے۔

اقول۔ حضرت مولوی صاحب اس زمانہ میں جو صحیحین اردو میں ترجمہ ہو چکی ہیں فن حدیث کا کوچہ کوئی ایسا دشوار گذار راہ نہیں رہا جسپر خاص طور پر آپکا ناز زیبا ہو۔ عنقریب زمانہ آنیوالا ہے بلکہ آگیا ہے کہ اردو میں حدیثوں کا توغل رکھنے والے اپنی دماغی اور دلی روشنی کی وجہ سے عربی خوان غبی طبع طاؤں پر ہنسیں گے اور استاد بنکر انہیں دکھائینگے۔ مَیں حضرت محض للہ آپ کو صلاح دیتا ہوں کہ اب آپ اپنی علمی نمائش کو کم کردیں کہ خداتعالیٰ کے نزدیک فضیلت تقوےٰ میں ہے۔ اس ناحق کی نفسانی خودستائی اور دوسرے کی تحقیر سے حاصل کیا؟ اور طرفہ تر یہ کہ آپ تو میرے پر نادانی اور نالیاقتی کا الزام لگانا چاہتے ہیں۔ مگر خداتعالیٰ وہی الزام لوٹاکر آپ پر نازل کرنا چاہتا ہے۔ من اراد ھتك ستر اخیہ ھتك اللہ سترہ انّ اللہ لا یحب کل مختالٍ فخور واللہ بصیرٌ بالعباد ولا یحب اللہ الجھر بالسّوءِ من القول الا من ظلم۔

قولہ۔ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی نے حدیث کو قرآن پر عرض کرنے کے بارہ میں آپ کی مانند یہ اصول تو نہیں ٹھہرایا کہ احادیث صحیحہ مسلم الصحت کی صحت ثابت ہو جانے کے بعد ان کی صحت کا امتحان قرآن سے کیا جائے۔ اور جبتک وہ حدیث مطابق قرآن ثابت نہ ہو اسکو صحیح نہ سمجھا جائے۔

اقول۔ تفسیر حسینی کی عبارت سے یہ ظاہر ہے کہ شیخ محمد ابن اسلم طوسی تیس[۳۰] سال تک اس بارہ میں فکر کرتے رہے کہ حدیث ترک صلوٰۃ کی تصدیق جس کا مضمون یہ ہے کہ جو کوئی نماز کو عمداً چھوڑے وہ کافر ہو جاتا ہے، قرآن سے ثابت ہو۔ اب ظاہر ہے کہ اگر یہ حدیث قانون روایت کے لحاظ سے ان کے نزدیک موضوع ہوتی تو پھر اس کی مطابقت کیلئے قرآن کی طرف توجہ کرنا ایک فضول امر اور بیہودہ کام تھا۔ کیونکہ اگر حدیث موضوع تھی تو پھر اس کا خیال دل سے دفع کیا ہوتا۔ کیا یہ قریب قیاس ہے کہ کوئی دانا ایک حدیث کو موضوع سمجھکر پھر اس موضوع کی تصدیق کیلئے تیس سال تک اپنا وقت ضائع کرے۔ ظاہر ہے کہ جس حدیث کو پہلے سے موضوع سمجھ لیا پھر اسکی تصدیق قرآن سے طلب کرنا چہ معنے دارد! بلکہ حق اور واقعی بات جو قرائن موجودہ سے معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ ایک طرف تو شیخ محمد اسلم طوسی کو اس حدیث کی صحت پر وثوق کامل تھا اور دوسری بظاہر نظر قرآن کے عام تعلیم سے اسکو مخالف پاتا تھا اسلئے اس نے صحیح بخاری کی اس حدیث کے موافق جس میں عرض علی القرآن کا ذکر ہے کتاب اللہ سے اسکی موافقت

چاہیئے اور خدا جانے کسقدر اسکو ترک صلوٰۃ کی حدیث کی صحت پر پختہ یقین تھا کہ باوجودیکہ انتیس سال تک یا کچھ اس سے زیادہ اس حدیث کی مصدق کوئی آیت اسکو قرآن کریم میں نہ ملی تاہم اس نے تلاش اور طلب سے ہمت نہ ہاری یہانتک کہ آیت واقیموا الصّلٰوۃ ولاتکونوا من المشرکین[۵۱] اسکو مل گئی یہ طلب اور تلاش بجز اس کے اور کس غرض کیلئے تھی کہ ایک طرف تو شیخ اسلم طوسی کو ترک صلوٰۃ کی حدیث میں اس کی صحت کے بارہ میں کچھ کلام نہ تھا اور دوسری طرف عبارت اسکی قرآن کریم کی ظاہر تعلیم سے مخالف معلوم ہوتی تھی اور اس بات کو ایک ادنےٰ فہم والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر شیخ موصوف کو حدیث اور ظاہر قرآن میں کچھ مخالفت دکھائی نہیں دیتی تھی تو پھر تیس[۳۰] سال تک کس غوطہ میں رہا۔ اور کونسی چیز گم ہوگئی تھی جسکو وہ تلاش کرتا رہا؟ آخر یہی تو سبب تھا کہ وہ اس حدیث کے موافق کوئی آیت نہ پاتا تھا اور اسی خیال سے وہ قرآن کی آیات کو اس حدیث کے مخالف خیال کرتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ’’شیخ مذکور کی کلام میں قرآن کے معیار ٹھہرانے کا نام ونشان نہیں‘‘ مگر آپکی سمجھ پر نہ خود میں بلکہ ہریک عاقل تعجب کرے گا کہ اگر شیخ کی رائے میں قرآن ایسی حدیثوں کی تصدیق کے لئے کہ بظاہر مخالف قرآن معلوم ہوں معیار نہیں تھا۔ تو پھر شیخ نے تیس[۳۰] سال تک تصدیق کے لئے کیوں ٹکریں ماریں؟ تیس[۳۰] سال کا عرصہ کچھ تھوڑا نہیں ہوتا ایک جوان اس عرصہ میں بوڑھا ہوجاتا ہے۔ کیا کسی کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ بغیر ارادہ کسی بھاری مرحلہ کے طے کرنے اور بغیر قصد نجات کے ایک سخت مشکل سے یوں ہی کوئی ایک زاید اطمینان کے لئے اس قدر عرصہ دراز عمر عزیز کا ضائع کرے۔ پھر آپ دریافت کرتے ہیں کہ کیا شیخ محمد اسلم نے بجز اس حدیث ترک صلوٰۃ کے کسی اور حدیث کو بھی قرآن پر عرض کیا؟ یہ کیسا پُرخبط سوال ہے! کیا عدم علم سے عدم شئے لازم آتا ہے؟ پس ممکن ہے کہ عرض کیا ہو اور ہمیں معلوم نہ ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مشکل اور حدیثوں میں انہیں پیش نہ آئی ہو۔ اور ان کی نظر میں کوئی اور حدیث ایسے طور سے مخالف قرآن نہ ہو جس سے قرآن کی کامل اور غیر مبدل ہدایتوں کو ضرر پہنچ سکے۔ اور اگر یہ کہو کہ اس تیس سال کے عرصہ تک یعنے جبتک کہ آیت نہیں ملی تھی حدیث ترک صلوٰۃ کی صحت کی نسبت شیخ کا کیا اعتقاد تھا تو جواب یہ ہے کہ شیخ اسمیں حسب قانون روایت صحت کے آثار صحت پاتا تھا لیکن بوجہ مخالفت ظاہری قرآن حیرت اور سرگشتگی میں تھا اور کوئی رائے استقلال کے ساتھ قائم نہیں کرسکتا تھا اور آیت کے مل جانے کا زیادہ تر امیدوار تھا۔ پھر میں کہتا ہوں کہ آپ ضد چھوڑ دیں※ اور خدا تعالےٰ

۵۱ الروم : ۳۲

※ حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے۔

سے شرم کریں۔ آپنے صرف ایک آدمی کا پتہ مانگا تھا جو احادیث مختلفہ کی نسبت عرض علی القرآن کا قائل ہو۔ لیکن ہم نے کئی امام اور بزرگوار اس عقیدہ کے رکھنے والے پیش کردیئے۔ مکرر یہ کہ آپ یاد رکھیں کہ شیخ طوسی کا تیس ۳۰ سال تک آیت کی طلب تلاش میں لگے رہنا شیخ کے اس مذہب کو ظاہر کر رہا ہے جو اس کا حدیث ترک الصلوٰۃ کے صحت کی نسبت اور پھر تصدیق قرآنی کی ضرورت کی نسبت تھا۔ اگر آپ قرائن موجودہ سے نہیں سمجھیں گے تو اور سمجھنے والے دنیا میں بہت ہیں انہیں کو فائدہ ہوگا۔

قولہٗ۔ مَیں قرآن کو امام جانتا ہوں*۔

اقولُ۔ یہ سراسر خلاف واقع ہے اگر آپ قرآن کو امام اور ہادی اوّل جانتے تو آپکے انکار اور ضد کی یہ نوبت کیوں پہنچتی؟ آپ فرماتے ہیں کہ میرے پر یہ افترا ہے کہ "میری نسبت بیان کیا گیا کہ مَیں قرآن کے امام ہونے کا منکر ہوں"۔ اس آپکی دلاوری کا میں کیا جواب دوں خود لوگ معلوم کرلینگے!۔

قولہٗ۔ اے خدا کی مخلوق خدا سے ڈرو۔

اقولُ۔ حضرت کچھ آپ بھی تو ڈر کریں*۔ لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتاً عند اللّٰہ ان تقولوا مالا تفعلو[ن][1]

قولہٗ۔ یہ گمان کہ امام بخاری نے دمشقی حدیث کو ضعیف جانکر چھوڑ دیا ہے یہ بات وہی شخص کہے گا۔ جس کو حدیث کے کوچہ میں بھولے بھی کبھی گذر نہیں ہوا۔

اقول۔ حضرت آپ کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو اس کوچہ میں خود گذر نہیں۔ آپ نہیں

نوٹ	* ہاں مولوی صاحب ایک ناصح عارف باللہ کی بات مان لیجئے اس سے آپ کی شان کو کوئی بٹہ نہیں لگنے کا۔ بلکہ تمام خداشناس آپکو قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ مگر افسوس ایک مولوی کا اپنی مشہور کردہ رائے سے رجوع کرنا ایسا ہی ہے جیسا اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گذرنا۔ واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔ ایڈیٹر۔
نوٹ	**نوٹ**۔ ضرور۔ تیر از کمان جستہ باز بدست نے آید۔ ایڈیٹر۔
نوٹ	* حضرت وہ کیوں ڈریں اس زمانہ کے مولویوں پر کچھ اسکی پابندی ضروری نہیں کہ جو کچھ وہ لوگوں کو کہیں خود بھی اسپر عمل کیا کریں۔ اسی سے تو خلق خدا میں فتنہ برپا ہوگیا ہے اور اسی فتنہ اور ان مولویوں کی کجیوں اور ناراستیوں کی اصلاح کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضور کو دنیا میں بھیجا ہے سعادتمند ہے وہ جو آپ کو پہچانے۔ ایڈیٹر۔

[1] الصف: ۴ ۳ البقرۃ: ۲۱۴ ۱۱۴

کہ ایک شخص امام بخاری جیسا معلومات کاملہ کا دعویٰ رکھنے والا جس نے تین لاکھ حدیث حفظ کی تھی۔ اس کی نسبت ضروری طور پر ماننا پڑتا ہے کہ تمام احادیث مدوّنہ مکتوبہ صحاح ستّہ کی اسکو معلوم تھیں کیونکہ جسقدر کل حدیثیں صحاح ستہ میں مندرج ہیں وہ معلومات بخاری کا چھٹا حصّہ بھی نہیں۔ بلکہ ان سب کو معلومات امام بخاری میں داخل کر کے پھر بھی اڑھائی لاکھ احادیث ایسی رہ جاتی ہیں جنکے ضبط اور حفظ میں کوئی دوسرا امام بخاری سے شریک نہیں پس اس دلیل سے بظن غالب معلوم ہوتا ہے کہ دمشقی حدیث ضروری امام بخاری کو یاد ہوگی۔ اور ان تمام حدیثوں کے لکھنے کے وقت جو امام بخاری نے مسیح ابن مریم اور مسیح دجّال کی نسبت لکھی ہیں بخاری کا یہ فرض تھا کہ اس ناتمام قصّہ کی تکمیل کیلئے جس کی تبلیغ کیلئے سب سے بڑھ کر تاکید نبی کریم کی ہے وہ دمشقی حدیث بھی لکھدیتا جو مسلم میں درج ہے۔ حالانکہ بخاری نے اپنی حدیثوں میں بعض ٹکڑے اس قصہ کے لئے ہیں اور بعض ترک کر دیئے ہیں۔ پس صحیح بخاری کا ان قصص متعلقہ سے خالی ہونا اس بات پر حمل نہیں ہوسکتا کہ امام بخاری ان باقی ماندہ ٹکڑوں سے بیخبر رہا۔ کیونکہ اس کو تین لاکھ حدیث کے ضبط کا دعویٰ ہے۔ اور چالیس ہزار مجرائے دیکر پھر بھی دو لاکھ ساٹھ ہزار بخاری کے پاس خاص ذخیرہ حدیثوں کا ماننا پڑتا ہے آخر قرائن موجودہ جو بخاری کے احاطہ احادیث پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتے وہ ایک محقق کو کشاں کشاں اس طرف لے آئیں گے کہ امام بخاری نے بعض متعلقات اس قصہ کو جو دمشقی حدیث میں پائی جاتی ہیں عمداً ترک کیا۔ یہ گمان ہرگز نہیں ہوسکتا کہ نواس بن سمعان کی حدیث بخاری کو نہیں ملی۔ بلکہ یہ گمان بھی نہیں ہے کہ علاوہ حدیث نواس بن سمعان کے ایسی روایت کے متعلق اور بھی حدیثیں ملی ہوں جنکو اس نے متروک البیان رکھا۔ لیکن یہ خیال کسی طرح طمانیت بخش نہیں کہ بخاری نے اس حدیث کو بھی اسی کنز مخفی میں شامل کر دیا جو تین لاکھ حدیث کا خزانہ اس کے دل میں تھا کیونکہ اس کے ذکر کرنے کے ضروری دواعی پیش تھے اور قصّہ کی تکمیل اس بقایا ذکر پر موقوف تھی۔ سو بجز اسکے صحیح اور واقعی جواب جو جلالت شان بخاری کے مناسب حال ہو اور کوئی نہیں کہ بخاری نے وہ حدیث نواس بن سمعان کی اس مرتبہ پر نہ سمجھی جس سے وہ اپنی صحیح میں اس کو دخل دیتا۔ اس پر ایک اور بھی ثبوت ہے اور وہ یہ ہے کہ بخاری کی بعض حدیثیں اگر غور سے دیکھی جائیں تو اس دمشقی حدیث سے کئی امور میں مخالف ثابت ہوتی ہیں تو یہ بھی ایک وجہ تھی کہ بخاری نے اس حدیث کو نہیں لیا تا اپنی صحیح کو تعارض اور تناقض سے بچائے اور معلوم ہوتا ہے کہ باقی حدیثیں بھی جو چھیانوے ہزار کے قریب بخاری

کو یاد تھیں وہ باوجود اپنی صحت اسناد کے صحیح بخاری کی حدیثوں سے کچھ تعارض رکھتی ہونگی جبھی تو بخاری جیسے حریص اشاعت سنت رسول نے انکو کتاب میں درج نہیں کیا۔ اور نہ کسی دوسری کتاب میں انکو لکھا ورنہ بخاری جیسے عاشق قول رسول پر ایک ناقابل دفع اعتراض ہوگا کہ اس نے رسول اللہ کی حدیثوں کو پاکر کیوں ضائع کیا! کیا اس کی شان سے بعید نہیں کہ سولہ برس مصیبت اٹھاکر ایک لاکھ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جمع کی اور پھر ایک نکمے خیال سے کہ کتاب میں طول ہوتا ہے اس خزانہ کو ضائع کردے؟

چہ عقل است صد سال اندوختن
پس انگاہ در یک دمے سوختن

خداداد علم اور حکمت کو ضائع کرنا بالاتفاق معصیت کبیرہ ہے پھر کیونکر یہ حرکت بیجا ایسے امام سے ممکن ہے! سو اگرچہ کسی مخفی وجہ کی نسبت سے امام بخاری نے ظاہر نہیں کیا اور یا ظاہر کیا اور محفوظ نہیں رہا۔ لیکن بہرحال یہی سبب ہے اور یہی عذر شرعی ہے جس کے تجویز کرنے سے امام محمد اسمٰعیل کی غمخواری دینی کا دامن کسل اور لاپروائی کی آلائش سے پاک رہ سکتا ہے۔

قولہ۔ آپنے اجماع کے بارے میں کہ اجماع کس کو کہتے ہیں کچھ جواب نہ دیا جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آپ علمی سوالات کو کچھ سمجھ نہیں سکتے۔ اجماع کی تعریف یہ ہے کہ ایک وقت کے جملہ مجتہدین جن سے ایک شخص بھی متفرد و مخالف نہ ہو ایک حکم شرعی پر اتفاق کرلیں اگر ایک مجتہد بھی مخالف ہو تو پھر اجماع متحقق نہیں ہوگا۔

اقولُ۔ میرے سیدھے سیدھے بیان میں ماحصل اجماع کی تعریف کا موجود ہے ہاں میں نے اصولیوں کی مصنوعہ مخترعہ طرز پر جو دقت سے خالی نہیں اس بیان کو ظاہر نہیں کیا تا عوام الناس فہم سخن سے بے نصیب نہ رہیں۔ لیکن آپ نے اصطلاحی طور پر اجماع کی تعریف کرنے کا دعویٰ کرکے پھر اس میں خیانت کی ہے اور پورے طور پر اس کا بیان نہ کیا جس سے آپ کے دل میں یہ اندیشہ ہوگا کہ جن شرائط کو اصول فقہ والوں نے اجماع کی تحقیق کے لئے ٹھیرایا ہے ان تمام شرائط کے لحاظ سے آپ کے مسلمہ اجماعوں میں سے کوئی اجماع صحیح ٹھہر نہیں سکتا! اور یا یہ مطلب ہوگا کہ جو امور اسمیں میرے مفید مطلب ہوں ان کو پوشیدہ رکھا جائے! اور وہ اجماع معہ اس کی شرائط کے اس طرح پہ بیان کیا گیا ہے الاجماع اتفاق مجتھدین صالحین من اُمّۃ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم فی عصرٍ واحدٍ والاولی ان یکون فی کل عصرٍ علٰی امر قولی او فعلی ورکنہ نوعان عزیمۃ و

هوالتكلم منهم بمايوجب الاتفاق بان يقولوا اجمعنا على هذا ان كان ذٰلك الشيئ من
باب القول اوشروعهم فى الفعل ان كان ذٰلك الشيئ من باب الفعل والنوع الثانى
منه رخصة وهو ان يتكلم او يفعل البعض من المجمعين دون البعض اى يتفق بعضهم
علىٰ قولٍ اوفعلٍ ويسكت الباقون منهم ولا يردون عليهم الى ثلثة ايامٍ او الى مدة
يعلم عادةً انه لوكان هناك مخالف لاظهر الخلاف ويسمى هذا اجماعاً سكوتياً و
لابد فيه من اتفاق الكل خلافاً للبعض وتمسكاً بحديث رسول الله صلى الله عليه وسلم
وذهب بعضهم الى كفاية قول العوام فى انعقاد الاجماع كالباقلانى وكون المجمعين
من الصحابة او من العترة لا يشترط وقال بعضهم لا اجماع الا للصحابة وبعضهم
حصر الاجماع فى اهل قرابة رسول الله وعند البعض كونهم من اهل المدينة يعنى مدينة
رسول الله شرط ضرورى وعند بعضهم انقراض عصرهم شرط لتحقق الاجماع وقال الشافعیؒ
يشترط فيه انقراض العصر وفوت جميع المجتهدين فلا يكون اجماعهم حجة مالم يموتوا لان
الرجوع قبله محتمل ومع الاحتمال لا يثبت الاستقراء ولا بد لنقل الاجماع من الاجماع
والاجماع اللاحق جائز مع الاختلاف السابق والاولى فى الاجماع ان يبقى فى كل عصر وقال
بعض المعتزلة ينعقد الاجماع باتفاق الاكثر بدليل من شذ شُذ فى النار۔ قال بعضهم
ان الاجماع ليس بشيءٍ ولا يتحقق لجمع شرائط۔ یعنے اجماع اس اتفاق کا نام ہے جو اُمت محمدیہ کے
مجتہدین صالحین میں زمانہ واحد میں پیدا ہوا اور بہتر تو یہ ہے کہ ہر زمانہ میں پایا جائے اور جس امر پر اتفاق ہو
برابر ہے کہ وہ امر قولی ہو یا فعلی اور اجماع کی دو نوع ہیں ایک وہ ہے جس کو عزیمت کہتے ہیں اور عزیمت
اس بات کا نام ہے کہ اجماع کرنے والے صریح تکلم سے اپنے اجماع کا اقرار کریں کہ ہم اس قول یا فعل پہ
متفق ہو گئے لیکن فعل میں شرط ہے کہ اس فعل کا کرنا بھی وہ شروع کر دیں۔ دُوسری نوع اجماع کی وہ ہے
جس کو رخصت کہتے ہیں اور وہ اس بات کا نام ہے کہ اگر اجماع کسی قول پر ہے تو بعض اپنے اتفاق
کو زبان سے ظاہر کریں اور بعض چپ رہیں اور اگر اجماع کسی فعل پر ہے تو بعض اسی فعل کا کرنا شروع
کر دیں اور بعض فعلی مخالفت سے دستکش رہیں۔ گو اس فعل کو بھی نہ کریں اور تین دن تک اپنی مخالفت
قول یا فعل سے ظاہر نہ کریں یا اس مدت تک مخالفت ظاہر نہ کریں جو عادتاً اس بات کے سمجھنے کیلئے دلیل

ہو سکتی ہے کہ اگر کوئی اس جگہ مخالف ہوتا تو ضرور اپنا خلاف ظاہر کرتا اور اس اجماع کا نام اجماع سکوتی ہے اور اس میں یہ ضروری ہے کہ کل کا اتفاق ہو مگر بعض سب کے اتفاق کو ضروری نہیں سمجھتے تا من شذ شذ کی حدیث کا مورد باقی رہے اور حدیث باطل نہ ہو جائے اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ مجتہدین کا ہونا ضروری شرط نہیں بلکہ انعقاد اجماع کے لئے عوام کا قول کافی ہے جیسا کہ باقلانی کا یہی مذہب ہے اور بعض کے نزدیک اجماع کے لئے یہ ضروری شرط ہے کہ اجماع صحابہ کا ہو نہ کسی اور کا۔ اور بعض کے نزدیک اجماع وہی ہے جو عترت یعنی اہل قرابت رسول اللہ کا اجماع ہو اور بعض کے نزدیک یہ لازم شرط ہے کہ اجماع کرنے والے خاص مدینہ کے رہنے والے ہوں۔ اور بعض کے نزدیک تحقق اجماع کیلئے یہ شرط ہے کہ اجماع کا زمانہ گذر جائے۔ چنانچہ شافعی کے نزدیک یہ شرط ضروری ہے وہ کہتا ہے کہ اجماع تب متحقق ہوگا کہ اجماع کے زمانہ کی صف لپیٹی جائے اور وہ تمام لوگ مر جائیں جنہوں نے اجماع کیا تھا اور جبتک وہ سب نہ مریں تب تک اجماع صحیح نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے قول سے رجوع کرے اور یہ ثابت ہونا ضروری ہے کہ کسی نے اپنے قول سے رجوع تو نہیں کیا اور نقل اجماع پر بھی اجماع چاہیئے۔ یعنی جو لوگ کسی امر کے بارہ میں اجماع کے قائل ہیں ان میں بھی اجماع ہو اور اجماع لاحق مع اختلاف سابق جائز ہے یعنے اگر ایک امر پہلے لوگوں نے اجماع نہ کیا اور پھر کسی دوسرے زمانہ میں اجماع ہو گیا تو وہ اجماع بھی معتبر ہے اور بہتر اجماع میں یہ ہے کہ ہر زمانہ اس کا سلسلہ چلا جائے اور بعض معتزلہ کا قول ہے کہ اتفاق اکثر سے بھی اجماع ہو سکتا ہے بدلیل من شذ شذ فی النار۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اجماع کوئی چیز نہیں اور اپنی جمیع شرائط کے ساتھ متحقق نہیں ہو سکتا۔ دیکھو کتب اصول فقہ ائمہ اربعہ۔

اب تمام تقریر سے ظاہر ہے کہ علماء کا اس تعریف اجماع پر بھی اجماع نہیں۔ اور انکار اور تسلیم کے دونوں دروازے کھلے ہوئے ہیں لہذا میں نے جب بعض اقوال کے ابن صیاد کے دجال معہود ہونے پر بلاشبہ اجماع سکوتی کا ثبوت دیدیا ہے۔ ابوسعید نے ہرگز ہرگز ابن صیاد کے دجال ہونے سے انکار نہیں کیا ایک امر کا کسی پر مشتبہ ہونا اور چیز ہے اور انکار اور چیز ہے تمیم داری کا بھی انکار ثابت نہیں کیونکہ تمیم داری نے گرجا والے دجال کی نسبت اپنا یقین ظاہر نہیں کیا صرف ایک خبر سنا دی اور مجرد خبر سنانے کے انکار لازم نہیں آتا اور وہ خبر جرح سے خالی بھی نہیں کیونکہ تمیم داری کہتا ہے کہ اس دجال نے غیب کی باتیں اور آئندہ میں ظاہر ہونے والی پیشگوئیاں کھلے کھلے طور پر سنائیں

اور یہ امر قرآن کے مخالف ہے کیونکہ اللہ جلّ شانہ، فرماتا ہے لا یظھر علی غیبہٖ احداً الا من ارتضیٰ من رسولٍ۔ یعنی خدائے تعالیٰ کھلے کھلے طور پر کسی کو اپنے غیب پر بجز رسولوں کے یعنی بجز ان لوگوں کے جو وحی رسالت یا وحی ولایت کے ساتھ مامور ہوا کرتے ہیں اور منجانب اللہ سمجھے جاتے ہیں مطلع نہیں کرتا مگر دجّال نے تو اس جگہ غیب کی سچی سچی خبریں سُنائیں ※۔ اب سوال یہ ہے کہ وُہ رسولوں کی کس قسم میں سے تھا؟ کیا وہ حقیقی طور پر منصب رسالت رکھتا تھا یا نبی تھا یا محدّث تھا؟ ممکن نہیں کہ خدائے تعالیٰ کے کلام میں کذب ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو تمیم داری کے قول کی تصدیق کی یہ تصدیق درحقیقت اس شخص اور معیّن آدمی کی نہیں جو تمیم داری کے ذہن میں تھا بلکہ عام طور پر ان واقعات کی تصدیق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ دجال آئے گا اور مدینہ اور مکّہ میں نہیں جاسکیگا۔ اور اس جگہ کسی لفظ سے ثابت نہیں ہوتا کہ وحی الٰہی کے رُو سے آنحضرت نے تمیم داری کی تصدیق کی۔ بلکہ معمولی طور پر اور بشری عادت کی طرز سے بغیر لحاظ کسی خصوصیت کے چند واقعات کی تصدیق کی تھی اور حدیث کے لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمیم داری کے اس لفظ کی جو دجال ایک جزیرے میں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق نہیں کی بلکہ ایک طور سے انکار کیا کیونکہ لفظ حدیث کے یہ ہیں۔

※ حاشیہ ۱/۱: موحدین نام رکھوا کر شرم کرنی چاہیئے! جب مخلوق کو (اور مخلوق بھی کافر دجّال! یا للعجب) خدائی طاقتیں اور صفتیں حاصل ہوگئیں تو خالق اور مخلوق میں باب الامتیاز کیا رہا؟۔

افسوس یہ خشک مغز لفظ پرست قوم کچھ بھی کلام الٰہی میں غور نہیں کرتی گویا انہیں کلام الٰہی سے کوئی انس و مناسبت ہی نہیں۔ توحید توحید زبان سے پکارتے ہیں اور سخت شرک میں گرفتار ہیں حضرت مسیح ایسے عبد ضعیف کو۔ خالق۔ شافی۔ محی۔ اور حي و قیوم۔ اعتقاد کر رکھا ہے!!۔ اس پر غضب یہ کہ دوسرے تمام اسلامی فرقوں کو مبتدع اور مشرک کے سوائے اور کوئی لقب دینا گوارا نہیں کرتے۔ مبارک ہو اس برگزیدہ الٰہی۔ اس مسیح موعود کو جس نے اصل سرّ توحید کا دُنیا پر روشن کیا اور اقسام اقسام اشراک خفیہ سے اہل اسلام کو آگاہ کیا اور قرآن کریم کے نُور سے منوّر ہو کر صفات باری تعالیٰ کے چشمہ کو شرک کے خس و خاشاک سے پاک صاف فرمایا۔ اے اللہ۔ اے میرے مولا! مجھے اس کے خادموں میں شامل رکھکر اس کی برکات سے مستفیض فرما! آمین۔ ایڈیٹر۔

سلہ الجنّ: ۲۷، ۲۸

الا انہ فی بحر الشام او فی بحر الیمن لابل من قبل المشرق ماھو واومابیدہ الی المشرق۔ یعنی آگاہ ہو گیا تحقیق دجال اسوقت شام کے دریا میں ہو یا یمن کے دریا میں۔ نہیں بلکہ وہ مشرق کیطرف سی نکلیگا اور مشرق کی طرف اشارہ کیا ماھو کے لفظ میں اشارہ کیا کہ بذاتہ وُہ نہ نکلے گا بلکہ اس کا مثیل نکلے گا۔ تمیم داری نصاریٰ کی قوم میں سے تھا اور نصاریٰ ہمیشہ ملک شام کی طرف سفر کرتے تھے۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری کے اس خیال کو رد کر دیا کہ وہ شام کے دریا میں کسی جزیرہ میں دجال کو دیکھ آیا ہے اور فرمایا کہ دجال مشرق کی طرف سی نکلیگا جس میں ہندوستان داخل ہی۔ اور نیز یہ بھی یاد رکھو کہ معمولی تصدیق میں جو بغیر وحی کے ہو نبی سی بھی خطا فی الاجتہاد ممکن ہی جیسا کہ اس خبر کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق کر لی تھی کہ قیصر روم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہی اور اس تصدیق کی وجہ سی عین موسم گرما میں دور دراز کا سفر بھی اختیار کیا۔ آخر وہ خبر غلط نکلی۔ اور تواریخ صحابہ میں ایسی خبروں کے اور بہت سی نمونے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی گئیں اور آنحضرت نے انکی فکر کی لیکن آخر وہ صحیح نہ نکلیں ظاہر ہی کہ جس حالت میں قیصر کے حملہ کی خبر سنکر آنجناب شدت گرما میں بلا توقف مع ایک لشکر صحابہ کے روم کیطرف تشریف لے گئے تھے۔ اگر تمیم داری کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور فراست کے آگے کسی قدر آثار صداقت رکھتی تو آنجناب ایسے عجیب دجال کے دیکھنے کیلئے ضرور اس جزیرہ کی طرف سفر کرتے تا نہ صرف دجال بلکہ اسکی نادر الشکل جسامت بھی دیکھی جاتی جس حالت میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ابن صیاد کے دیکھنے کے لئے گئے تھے تو اس عجیب الخلقت دجال کے مشاہدہ کیلئے کیوں تشریف نہ لے جاتے بلکہ ضرور تھا کہ جاتے۔ یہ مسئلہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چشم دید ہو کر بکلی تصفیہ پا جاتا۔ اور یہ بھی آپکو یاد رکھنا چاہیئے کہ گرجا والے دجال کی تصدیق اس درجہ پر ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی جیسے ابن صیاد کا دجال ہونا۔ حضرت عمر وغیرہ صحابہ کی قسموں سی ثابت ہو گیا ہے۔ گرجا والے دجال کی تصدیق قسم کھا کر کس نے کی جس کی تعریف اجماع کو میں نے پیش کیا ہی۔ جو متفرق اقوال کتب اصول فقہ کا خلاصہ ہے۔ کیا کوئی بھی حصہ اس تعریف کا ابن صیاد کے اجماع کی نسبت ثابت نہیں ہوتا۔ بے شک ثابت ہوتا ہی۔ اور آپ کا نقض فضول ہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اخیر مدت تک اپنے قول سے رجوع ثابت نہیں اور حدیث ابو سعید سے کم سے کم یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک جماعت صحابہ کی ابن صیاد

کے دجّال ہونے کے قائل تھے! اور اگر فرض کے طور پر کوئی فرد باہر رہا ہے تو جیساکہ ہم بیان کر چکے ہیں اجماع کا مخل نہیں۔ **الدّجال** کے لفظ کی نسبت جسقدر آپ نے بیان کیا ہے وہ سب لغو ہے۔ آپ نہیں جانتے کہ دجّال معہود کے لئے الدجال ایک نام مقرر ہو چکا ہے۔ دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۱۰۵۵۔ اگر آپ الدجال صحیح بخاری میں بجز دجال معہود کے کسی اور کی نسبت اطلاق ہونا ثابت کردیں تو پانچ روپیہ آپکی نذر ہونگے۔ ورنہ اے مولوی صاحب ان فضول ضدوں سے باز آؤ! ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئك کان عنه مسئولا۔ آپ اگر کچھ حدیث سمجھنے کا ملکہ رکھتے ہیں تو الدجّال کے لفظ سے استعمال صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں بغیر دجّال معہود کے کسی اور میں ثابت کریں۔ ورنہ بقول آپ کی ایسی باتیں کرنا اس شخص کا کام ہے جس کو حدیث بلکہ کسی شخص کا کلام سمجھنے سے کوئی تعلق نہ ہو۔ یہ آپ ہی کا فقرہ ہے آپ ناراض نہ ہوں۔ این ہمہ سنگ است کہ برسرے من زدی۔

قولہٗ۔ آپکا یہ عذر کہ کسی کو دامارات قول دیکھکر) کسی بات کا قائل ٹھہرانا افترا نہیں اس سے آپکا افترا اور ثابت ہوتا ہے۔

اقول۔ اگر یہی بات ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعلی امر کا نام کیوں حدیث رکھکر لیتے ہیں؟ اور کیوں بخاری نے کہا کہ میں نے تین لاکھ حدیث رسول اللہ کی تقریر کی؟ ظاہر ہے کہ حدیث بات اور قول کو کہتے ہیں۔ مگر احادیث میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں نہیں افعال بھی تو ہیں آپنے ان افعال کا نام اقوال کیوں رکھا کیا یہ افترا ہے یا نہیں؟ اگر کہو کہ بطور مسامحت یہ اصطلاح فن حدیث میں جاری ہو گئی۔ تو اسی طرح آپ کو سمجھ لینا چاہیئے کہ بہت سی باتیں بطور مسامحت انسان کرتا ہے اور انکو افترا نہیں کہا جاتا۔ اگر شخص فقط ہاتھ کے اشارہ سے کسی کو کہے کہ بیٹھ جا۔ تو ناقل اس امر کا بسا اوقات کہہ سکتا ہے۔ کہ اس نے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا۔ ایک شخص کسی کو کہتا ہے کہ تو شیر ہے۔ اسپر کوئی اعتراض نہیں کرسکتا کہ تُو نے افترا کیا۔ اگر یہ شیر ہے تو کہاں شیر کیطرح اسکی کھال ہے اور شیر کیطرح پنجے کہاں ہیں دُم کہاں ہے۔ ایسا ہی اپنے اجتہاد کے اتباع کا ہریک کو اختیار ہے جو شخص اجتہاد کے رُو سے ایک ظنی امر کو یقینی سمجھ لیتا ہے خواہ اسکی نسبت کچھ کہا جائے مگر اسکو مفتری تو نہیں کہا جاتا۔ میرا اور آپکا بیان اب جلد پبلک کے سامنے آئیگا لوگ خود اندازہ کرلیں گے۔ حدیث کے راویوں کی احتیاطیں صرف اس غرض سے تھیں کہ اُن کا قول حدیث شمار کیا جاتا تھا مگر میرا قول تو حدیث نہیں میں تو صاف کہتا ہوں کہ یہ میرا اجتہاد ہے۔ اور میں اجتہادی طور پر کہتا ہوں ضرور آنحضرت نے ابن صیّاد کے دجّال ہونے پر خوف ظاہر کیا۔ اور میں نے قرائن موجودہ سے

اِستنباط کیا ہو کہ اس خوف کا اظہار ضرور کلام کے ذریعہ سی ہوگا۔ چنانچہ اصول فقہ کے رُو سے سکوت بھی کلام کا حکم رکھتا ہو۔ اور آنحضرت کے صریح کلام سی بھی جو مسلم میں موجود ہی مترشح ہو رہا ہو کہ آنحضرت ابن صیاد کے دجال ہونے کی نسبت ضرور اندیشہ میں تھے مسلم کی دُوسری حدیثیں غور سی دیکھو تا آپ پر حق کی روشنی پڑے۔

قولہٗ۔ ایک آپکا افترا یہ ہو کہ آپنے رسالہ ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۰۱ میں حدیث و امامکم کے ترجمہ میں اپنی عبارت ملا دی۔

اقول۔ مَیں کہتا ہوں کہ یہ آپ کے فہم کا قصور ہے یا بحالت افہم ایک افترا ہو کیونکہ ہمیشہ اس عاجز کی عادت ہو کہ ترجمہ کی نیت سی نہیں بلکہ تفسیر کی نیت سے معنے کیا کرتا ہو مگر اپنی طرف سی نہیں بلکہ وُہی کھول کر سُنایا جاتا ہو جو اصل عبارت میں ہوتا ہو بیشک اس جگہ وامامکم کی واؤ پہلے فقرہ کی تفسیر کے لئے ہے۔ جس وقت آپ سے یہ بحث شروع ہوگی اسوقت آپ کو قواعد نحو کے رُو سے سمجھا دیا جائیگا۔ ذرا صبر کیجئے اور میری کتاب براہین احمدیہ کو دیکھئے ہمیشہ تفسیر کی طرز پر میرا ترجمہ ہوتا ہے۔ افسوس کہ باوجود ریویو لکھنے کے ان تراجم پر آپنے اعتراض نہیں کیا اور کسی جگہ افترا نام نہ رکھا۔ اس کی اصل وجہ بجز اسکے اور کوئی نہیں کہ اُس وقت آپ کی آنکھیں اور تھیں اور اب اور ہیں۔ خدائے تعالیٰ آپ کی پہلی بینائی آپ کو بخشے۔ وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر۔ اور آپ کو یاد رہے کہ بیت المقدس یا دمشق میں نزول عیسیٰ کا ذکر بھی محض تفسیر کے طور پر مَیں نے کیا ہو مجرّد ترجمہ نہیں ہے۔

قولہٗ۔ آپ نے مجھے یہ الزام دینے سی کہ میرا بخاری کی حدیثوں پر ایمان ہی افترا کے طور پر یہ نتیجہ نکالا ہو کہ مَیں کسی ایسے ملہم کو بھی مانتا ہوں کہ جو بخاری یا مسلم کی کسی حدیث کو موضوع کہیں۔

اقول۔ بیشک آپنے ایسے ملہم کو جو کسی صحیح حدیث کو اپنے کشف کے رُو سی موضوع جانتا ہو یا موضوع کو صحیح قرار دیتا ہو۔ اپنی کتاب اشاعت السنت میں مخاطب الشیطان نہیں ٹھہرایا۔ یہ آپ کا سراسر افترا اور منت بعد از جنگ ہے کہ اب آپ اپنی تحریر میں یہ لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک ایسا محدث شیطان کی طرف سے مخاطب ہے اور جو شخص کسی صحیح حدیث کو جو صحیحین میں سی ہو موضوع کہے نہ صرف وہ شیطان کا مخاطب بلکہ شیطان مجسم ہی آپنے اشاعت السنہ میں ان بزرگوں کا نام جنہوں نے ایسے مکاشفات یا ایسا عقیدہ اپنا بیان کیا تھا شیطان مجسّم ہرگز نام نہیں رکھا بلکہ مدح کی محل اور مورد میں انکا ذکر لائے ہیں مثلاً آپنے جو میری تائید کے لئے ابن عربی کا قول لکھا اور فتوحات میں سی یہ نقل کیا کہ بعض حدیثیں کشفی طور پر موضوع ظاہر کی جاتی ہیں سچ کہو کہ آپ کی اس وقت کیا نیّت تھی کیا یہ نیت تھی کہ نعوذ باللہ ابن عربی

کافر اور شیطان مجسم ہے ؟ کیا اکابر کا لفظ جو اس محل میں ہے یہی دلالت کر رہا ہے کہ وہ لوگ اکابر کفر تھے ؟ آپ ایک خط میں محی الدین عربی کو رئیس المتصوفین اور اولیاء اللہ میں داخل کر چکے ہیں۔ وہ خط تو اسوقت موجود نہیں لیکن ایک دوسرا خط ہے جس سے بھی یہی مطلب نکلتا ہے جسکو آپنے مولوی عبداللہ غزنوی مرحوم کی طرف لکھا تھا جسکی یہ عبارت ہے " علم دو قسم است یکے ظاہری کہ بکسب و اکتساب و نظر و استدلال حاصل میشود دوم باطنی کہ غیب الغیب بہم مے رسد چنانچہ انبیاء علیہم السلام ومن بعدھم اولیاء کرام را حاصل بود کما قال الشیخ محی الدین العربی فی الفتوحات وقع لی اولاً الخ فرمائیے کہ آپنے ایسے محل میں کہ اولیاء الرحمٰن کے کلام کا حوالہ دینا چاہیئے تھا محی الدین عربی کا کیوں ذکر کیا ؟ اگر وہ بزرگ آپکے آزاد دل کی نسبت نعوذ باللہ شیطان مجسم تھا تو کیا آپنے اپنے خط میں جو اپنے مرشد کیطرف لکھا تھا ایک شیطان کا حوالہ دینا تھا! ماسوا اسکے آپکا وہ پرچہ اشاعت السنت موجود ہے میں اپنے پر سو روپیہ تاوان قبول کرتا ہوں اگر منصفین اس پرچہ کو پڑھ کر یہ رائے ظاہر کریں کہ آپنے ان اولیاء کو جنہوں نے ایسا رائے ظاہر کیا تھا کافر اور شیطان ٹھہرایا تھا اور ان کے ملہمات کو شیطانی مخاطبات میں داخل کیا تھا تو میں سو روپیہ داخل کرونگا۔ آپ اپنے شائع کردہ ریویو کے منشا سے بھاگنا چاہتے ہیں* اور ایک پرانی قوم کی عادت پر تحریفوں پر زور مار رہے ہیں وانّٰی لکم ذالک ولات حین مناص

قولہ۔ آپ کے ان افتراؤں سے کامل یقین ہوتا ہے کہ کب آپ کسی الہام کے دعوے میں سچے نہیں اور جو تار و پود آپ نے پھیلا رکھا ہے وہ سب افترا ہے۔

اقول۔ میں آپکی ان باتوں سے آزردہ نہیں ہوتا اور نہ کچھ رنج کرتا ہوں۔ کیونکہ جو لوگ حق کے مخالف تھے ہمیشہ ارباب حق اور اہل اللہ بلکہ انبیاء کی نسبت ایسے ایسے ہی ظن کرتے آئے ہیں حضرت موسیٰ کا نام مفتری رکھا گیا حضرت عیسیٰ کا نام مفتری رکھا گیا۔ ہمارے سید مولیٰ کا نام مفتری رکھا گیا۔ بہت سے اولیاء کا نام مفتری رکھا گیا۔ پھر اگر میرا نام بھی آپنے مفتری رکھ لیا تو کونسی رنج کی بات ہے ؟ وقد خلت سنۃ اولین۔ میں آپ کو سچ سچ کہتا ہوں کہ میں مفتری نہیں ہوں اور خداوند کریم نے جو ہمیشہ مصلحت عباد کی رعایت رکھتا ہے مجھے حقاً وعدلاً مامور کر کے بھیجا ہے وہ خوب جانتا ہے اور اب سن رہا ہے کہ اس نے مجھے ضرور بھیجا ہے تا میرے ہاتھ پر ان خرابیوں کی اصلاح ہو جو مولویوں کی کج فہمی سے امت محمدیہ میں شائع ہو گئی ہیں اور تا مسلمانوں میں سچے ایمان کا تخم پھر نشو و نما کرے سو میں بفضلہ و رحمتہ تعالیٰ سچا ہوں اور سچائی کی تائید کیلئے آیا ہوں اور ضرور تھا کہ میرا انکار کیا جاتا۔ کیونکہ براہین احمدیہ میں الٰہی الہام میرے حق میں یہ درج ہو چکا ہے کہ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول

* کہیں تحریف کرتے ہیں اور کبھی بے نامعقول عذر تراش کر کہ مجھ کو پہلے دھوکہ ہو گیا تھا پبلک میں اپنی خفت ظاہر کرتے ہیں ایک ولی اللہ کے معاداۃ کا نتیجہ ہے!

نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کردیگا۔ سو مَیں جانتا ہوں کہ میرا خدا ایسا ہی کریگا مَیں کسی کے مُنہ کی پھونکوں سے معدوم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ جس نے مجھے بھیجا ہے میرے ساتھ ہے وہ میری حمایت کریگا ضرور حمایت کریگا اور میری صداقت میرے آسمانی نشان دیکھنے والوں پر ظاہر ہے گو آپ پر ظاہر نہ ہو۔ اسی مجلس میں بعض لوگ ایسے موجود ہیں کہ وہ حلف اُٹھا کر کہہ سکتے ہیں کہ آسمانی نشان انہوں نے مجھ سے دیکھے ہیں۔ شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور بھی حلف اُٹھا کر یہ شہادت دے سکتے ہیں کہ مَیں نے چھ مہینہ پہلے انپر ایک بلا نازل ہونے کی انکو اطلاع دی اور عین اسوقت میں کہ جب پھانسی کا حکم انکے لئے صادر ہو چکا تھا انکے انجام بخیر اور نجات پا جانے کی خبر استجابت دعا کے بعد اُن تک پہنچا دی مَیں نے سُنا ہے کہ یہ خبر ہوشیار پور اور اس ضلع میں اس کثرت سے پھیل گئی کہ ہزاروں آدمی اسکے گواہ ہیں پھر مَیں نے اپنی زبان سے دلیپ سنگھ کی ناکامی اور ہندوستان میں نہ داخل ہونے کی پیش از وقت خبر دی اور صدہا آدمیوں کو زبانی سنایا اور اشتہار شائع کیا اور پنڈت دیانند کے تین مہینہ تک فوت ہونے تک پہلے سے خبر دیدی اور اللہ جلشانہٗ خوب جانتا ہے کہ شاید تین ہزار کے قریب ایسے امور میرے پر ظاہر ہوئے ہیں کہ وہ ٹھیک ٹھیک ظہور میں آ گئے ہیں۔ مَیں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ کبھی میرے مکاشفات میں غلط فہمی کی وجہ سے خطا واقع نہیں ہوتی کیونکہ اس وجہ سے تو نبیوں کے مکاشفات میں بھی کبھی کبھی خطا واقع ہو جاتی ہے بخاری کی حدیث فذھب وھلے بہتوں کو یاد ہوگی حضرت مسیح کی غلط پیشگوئی یہودا اسکریوطی کی نسبت کہ وہ بارہویں تخت کا مالک ہے ابتک کسی عمدہ تاویل کی رُو سے صحیح نہیں ہو سکی لیکن کثرت کیطرف دیکھنا چاہیئے جو لوگ مجھے مفتری سمجھتے ہیں اور اپنے تئیں صاف پاک اور متقی قرار دیتے ہوں میں ان کے مقابل پر اس طور کے فیصلہ کیلئے راضی ہوں کہ چالیس ۴۰ دن مقرر کئے جائیں اور ہر ایک فریق اعملوا علیٰ مکانتکم انی عامل[1] پر عمل کر کے خدا تعالیٰ سے کوئی آسمانی خصوصیت اپنے لئے طلب کرے جو شخص اسمیں صادق نکلے اور بعض مغیبات کے اظہار میں خدائے تعالیٰ کی تائید اسکے شامل حال ہو جائے وہی سچا قرار دیا جائے۔ اے حاضرین اسوقت اپنے کانوں کو میری طرف متوجہ کرو کہ مَیں اللہ جلشانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر حضرت مولوی محمد حسین صاحب چالیس دن تک میرے مقابل پر خدا تعالیٰ کیطرف توجہ کر کے وہ آسمانی نشان یا اسرار غیب دکھلا سکیں جو مَیں دکھلا سکوں تو مَیں قبول کرتا ہوں کہ جس ہتھیار سے چاہیں مجھے ذبح کریں اور جو تاوان چاہیں میرے پر لگا دیں۔ دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ بالآخر میں لکھتا ہوں کہ اب میں یہ موجودہ بحث[1]

[1] اے حق پژوہ ناظرین اللہ غور کر کے اس جملہ کو اور آئندہ جملہ "اب ان تمہیدی امور میں" الخ کو پڑھیئے گا اور پھر مقابلہ کیجئے گا مولوی محمد حسین صاحب کے لدھیانہ والے اشتہار کے ساتھ جس میں آپنے کس بیباکی سے حضرت مرزا صاحب کا آئندہ اجرائے بحث سے فرار کرنا لکھ مارا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کا کیا مطلب اور کیا منشاء ہے اور مولوی صاحب اسے کس قالب میں ڈالتے ہیں۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ ایڈیٹر۔

[1] الانعام: ۱۳۶ [2] الکہف: ۶

ختم کر چکا ہوں اگر مولوی صاحب کو کسی بات کے ماننے میں کچھ عذر ہو تو علیحدہ طور پر اپنے رسالہ میں درج کریں اب ان تمہیدی امور میں زیادہ طول دینا ہرگز مناسب نہیں۔ ہاں اگر مولوی صاحب نفس دعویٰ میں جو میں نے کیا ہی بالمقابل دلائل پیش کرنے سی بحث کرنا چاہیں تو میں طیار ہوں اور اگر وہ خاص بحثیں جنکی درخواست اس تحریر میں کیگئی ہی پسند خاطر ہوں تو ان کیلئے بھی حاضر ہوں اب انشاء اللہ یہ کاغذات چھپ جائینگے اور مولوی صاحب نے جسقدر تیز زبانی سی ناحق کو حق قرار دیا ہے پبلک کو اسپر رائے لگانے کیلئے موقعہ ملیگا۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔ راقم خاکسار غلام احمد ۲۹ جولائی سنہ ۱۸۹۱ء

ملا یہ مضمون ۲۹ تاریخ کو لکھا گیا تھا اور مولوی محمد حسین کو اطلاع دیگئی تھی مگر انہوں نے اس تاریخ پر مضمون کا سُننا ملتوی کر دیا چنانچہ ۳۱ تاریخ کو سُنایا گیا۔

لاہور کے عمائدِ اسلام کی مخلصانہ درخواستِ تحقیق کیلئے بنام

مولوی محمد صاحب لکھوکے۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب لکھوکے۔ مولوی عبیداللہ صاحب تبتی۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوی۔ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری۔ مولوی عبدالجبار صاحب امرتسری۔ مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب دہلوی۔ مولوی عبدالعزیز صاحب لدہیانوی۔ مولوی احمداللہ صاحب امرتسری۔ مولوی محمد سعید صاحب بنارسی۔ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی۔ از طرف اہلِ اسلام لاہور بالخصوص حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار و خواجہ امیرالدین صاحب و منشی عبدالحق صاحب و محمد چٹو صاحب و منشی شمس الدین سیکرٹری حمایت اسلام و مرزا صاحب ہمسایہ خواجہ امیرالدین صاحب و منشی کرم الٰہی صاحب وغیرہ وغیرہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جو دعاوی حضرت مسیح علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت اور خود مسیح موعود ہونے کی نسبت کئے ہیں آپ سے مخفی نہیں انکے دعاوی کی اشاعت اور ہمارے ائمہ دین کی خاموشی نے مسلمانوں کو جس تردد اور اضطراب میں ڈالدیا ہے وہ بھی محتاج بیان نہیں اگرچہ جمہور علماء موجود کی بے سود مخالفت اور خود مسلمانوں کے پرانے عقیدے نے مرزا صاحب کے دعاوی کا اثر عام طور پر پھیلنے نہیں دیا مگر تاہم اس امر کے بیان کرنے کی بلا خوف تردید جرأت کیجاتی ہے کہ اہلِ اسلام کے قدیمی اعتقاد نسبت حیات و نزول عیسٰی ابن مریم میں بڑا بھاری تذلل واقع ہوگیا ہے۔ اگر ہمارے پیشوایانِ دین کا سکوت یا ان کی خارج از بحث تقریر اور تحریر نے کچھ اور طول پکڑا تو احتمال کیا بلکہ یقین کامل ہے کہ اہلِ اسلام علی العموم اپنے پرانے اور مشہور عقیدے کو خیرباد کہدینگے اور پھر اس صورت اور حالت میں حامیانِ دین متین کو سخت تر مشکل کا سامنا پڑیگا۔ ہم لوگوں نے جن کی طرف سے یہ درخواست ہے اپنی تسلی کے لئے خصوصاً اور عامہ اہل اسلام کے فائدہ کے لئے عموماً کمال نیک نیتی سے بڑی جدوجہد کے بعد ابو سعید مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو مولوی حکیم نور الدین صاحب کے

ساتھ (جو مرزا صاحب کے مخلص معتقدین میں سے ہیں) مرزا صاحب کے دعویٰ پر گفتگو کرنے کیلئے مجبور کیا تھا مگر نہایت ہی حیرت ہے کہ ہماری بدقسمتی سے ہمارے منشاء اور مدعا کے خلاف مولوی ابوسعید صاحب نے مرزا صاحب کے دعووں سے جو اصل مضمون بحث تھا قطع نظر کرکے غیر مفید امور میں بحث شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ متردین کے شبہات کو اور تقویت ہوگئی اور زیادہ تر حیرت میں مبتلا ہوگئے اسکے بعد لدھیانہ میں مولوی ابوسعید صاحب کو خود مرزا صاحب سے بحث کرنیکا اتفاق ہوا تیرہ روز گفتگو ہوتی رہی اسکا نتیجہ بھی ہمارے خیال میں وہی ہوا جو لاہور کی بحث سے ہوا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ تر مضر کیونکہ مولوی صاحب اس دفعہ بھی مرزا صاحب کے اصل دعویٰ کیطرف ہرگز نہ گئے اگرچہ (جیساکہ سناگیا ہے اور پایہ ثبوت کو پہنچ گیا ہے) مرزا صاحب کے اثنا بحث میں بھی اپنے دعووں کی طرف مولوی صاحب کو متوجہ کرنے کیلئے سعی کی چونکہ علماء وقت کے سکوت اور بعض بے سود تقریر و تحریر نے مسلمانوں کو علی العموم بڑی حیرت اور اضطراب میں ڈال رکھا ہے اور اسکے سوا انکو اور کوئی چارہ نہیں کہ اپنے اماماں دین کیطرف رجوع کریں لہذا ہم سب لوگ آپکی خدمت میں نہایت مودبانہ اور محض بنظر خیر خواہی برادران اسلام درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس فتنہ و فساد کے وقت میدان میں نکلیں اور اپنی خداداد نعمت علم و فضل سے کام لیں۔ خدا کے واسطے مرزا صاحب کے ساتھ انکی دعاوی پر بحث کرکے مسلمانوں کو ورطہ تذبذب سے نکالنے کی سعی فرماکر عندالناس مشکور و عنداللہ ماجور ہوں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ جنکی ذات پر مسلمانوں کو بھروسہ ہے خاص لاہور میں مرزا صاحب کے ساتھ انکے دعاوی میں بالمشافہ تحریری بحث کریں مرزا صاحب سے انکے دعاوی کا ثبوت کتاب اللہ اور سنت رسول صلعم سے لیا جائے یا انکو اس قسم کے دلائل بینہ سے توڑا جاوے۔ ہماری رائے میں مسلمانوں کی تسلی اور رفع تردد کے واسطے اس سے بہتر اور کوئی طریق نہیں۔ اگر آپ اس طریق پر بحث کو منظور فرماویں اور امید واثق ہے کہ آپ اپنا ایک اہم منصبی اور مذہبی فرض یقین کرکے محض ابتغاء لوجہ اللہ و ہدایت خلق اللہ ضرور قبول فرماوینگے تو اطلاع بخشیں تاکہ مرزا صاحب سے بھی اس بارہ میں تصفیہ کرکے تاریخ مقرر ہو جائے اور آپکو لاہور تشریف لانے کی تکلیف دیجائے تمام انتظام متعلقہ قیام امن وغیرہ ہمارے ذمہ ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ آپ صاحبوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھانی پڑیگی جواب سے جلد سرفراز فرماویں۔ والسلام

نوٹ - ہمارے پاس ایک اور بھی طویل درخواست لدھیانہ کے مسلمانوں کی آئی ہے جس پر ایک سو نو اشخاص کے نام درج ہیں اور جو انہوں نے مشاہیر علماء کے پاس مذکورہ بالا غرض سے کی ہے اور ساتھ ہی ایک اقرار نامہ کی نقل ہے جو حضرت مرزا صاحب نے ان درخواست کنندوں کے ساتھ کیا ہے اور جس کا لب لباب یہ ہے کہ مرزا صاحب انکی درخواست کے بموجب اکابر اور مشاہیر علماء سے ظاہری اور باطنی طور پر مباحثہ کرنے کے لئے طیار ہیں اور لاہور کو ہی اس مباحثہ کا صدر مقام پسند کرتے ہیں۔ درخواست مذکور میں یہ بھی مندرج ہے کہ اگر مخاطبین مولوی صاحبان ایک ماہ تک انکی درخواست کے بموجب مباحثہ کرنے کے لئے نہیں آئیں گے تو وہ مرزا صاحب کے دعاوی کو بلا تذبذب صحیح و صادق تسلیم کرلیں گے اور مولوی صاحبان کی گریز کو عام پر مشتہر کر دینگے۔ چونکہ اس درخواست کا منشاء مذکورہ بالا درخواست کے مطابق ہے اس لئے ہم نے اسکے اندراج کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ایڈیٹر۔

تمت